ہندو پاک کے علما کی فقہی خدمات

ہزار سالہ فقہی خدمات:

ہندوستان کے علما وفقہا کی علمی و دینی خدمات کی ایک روشن تاریخ ہے، ہندوستان میں جب مسلمانوں کی آمد ہوئی تو ابتدا میں علم حدیث پر زیادہ توجہ دی گئی، خاص طور پر سندھ اور گجرات کے ساحلی شہروں میں۔ اس کے بعد اہل علم کی فکر و توجہ کا مرکز علم فقہ بن گیا اور امام ابوحنیفہؒ و دیگر مجتہدین کی فکری و فقہی تسلسل کو آگے بڑھایا گیا۔ چنانچہ ہندوستان میں یہاں کے علما و مفتیان نے فقہ وفتاویٰ کی جو خدمات انجام دی ہے اس کا سلسلہ تاریخی طور پر ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔ اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی جس کا سراغ ملتا ہے وہ عدالت وقضا کے موضوع پر شیخ علی ابن احمد بن محمد بن محمد دیبلی کی آداب القضاء ہے، یہ چوتھی صدی ہجری کے فقیہ ہیں، الجواہر المضیۃ میں اس کا تذکرہ مصنف کے احوال میں کیا گیا ہے، اس کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں میں اور ہر صوبہ میں کسی نہ کسی اہم کتاب کی تصنیف کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ تصانیف جامعیت، تحقیق اور اپنے عہد کے جدید مسائل کے حل میں انتہائی اہم ہیں، ان میں، شرح و تحقیق بھی ہے اور اجتہادی شان بھی۔

فقہ کی یہ کتابیں مستقل نوعیت کی بھی ہیں اور شروح وحواشی کے عناوین سے بھی ہیں؛ بلکہ شروح وحواشی بہت زیادہ ہیں، چنانچہ اس ہزار سالہ عہد میں شروح وحواشی کے تحت سیکڑوں کتابیں تیار کی گئیں، عام طور پر یہ کتابیں ابتدائی عہد سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک عربی زبان میں تیار کی گئیں، فقہ میں صرف ہدایہ و وقایہ اور قدوری کے حواشی اور شرحیں ساٹھ سے زیادہ ملتی ہیں۔ اسی طرح اصول فقہ کی اہم ترین کتابیں المنار، اصول البزدوی، مسلم الثبوت، تلویح اور حسامی وغیرہ کی تقریباً پچاس سے زائد مطبوعہ وغیر مطبوعہ شروح وحواشی عربی زبان میں ہیں، اسی طرح فقہ کے الگ الگ موضوعات جیسے ارکان اربعہ، نکاح وطلاق، بیوع، میراث، اراضی، حدود وتعزیرات، اجتہاد وتقلید، عدالتی نظام وغیرہ پر عربی و اردو اور فارسی وغیرہ میں مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں چار ہزار سے زیادہ ہیں، اور یہ ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں، جیسے کتب خانہ دار العلوم دیوبند، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کولکاتہ، آصفیہ لائبریری دکن حیدرآباد، ریاست رامپور کی لائبریریاں، کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، کتب خانہ مظاہر علوم، ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ دہلی، کتب خانہ دائرۃ المعارف اعظم

گڑھ، شبلی لائبریری اور ہندو پاک کے قدیم خانقاہوں کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مختلف عہد و صدی کے چند کتب فقہ و فتاویٰ کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

عربی و فارسی کتب فقہ و فتاویٰ:

(۱) آداب القضاء	شیخ علی ابن احمد بن محمد بن محمد دیبلی	
(۲) مجموعۂ سلطانی	حسن بن محمد الصنعانی، اللاہوری البغدادی	(م ۶۳۷ھ)
(۳) فتاویٰ بابری (بزبان فارسی)	علامہ نورالدین قطب الدین الخوافی	(م ۶۷۰ھ)
(۴) نہایت الوصول اِلیٰ علم الاصول	شیخ صفی الدین بن عبدالرحیم ہندی	(م ۷۱۵ھ)
(۵) زبدۃ الاحکام فی اختلاف الائمۃ الاعلام	سراج الدین الحنفی	(م ۷۷۴ھ)
(۶) فتاویٰ التاتارخانیہ (بزبان عربی)	عالم بن العلا الحنفی الدہلوی	(م ۷۸۶ھ)
(۷) الفتاویٰ السراجیہ	ابوحفص سراج الدین عمر بن اسحاق الہندی	(م ۸۲۹ھ)
(۸) الغرۃ المنیفۃ	ابوحفص سراج الدین	(م ۸۴۶ھ)
(۹) فتاویٰ قاری الہدایۃ	شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق الغزنوی الحنفی	(م ۸۷۳ھ)
(۱۰) فتاویٰ ابراہیم شاہی	قاضی شہاب الدین دولت آبادی	(م ۸۷۴ھ)
(۱۱) الفتاویٰ الاشرفیہ	سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی	(م ۸۸۰ھ)
(۱۲) الفتاویٰ الحمادیہ	ابوالفتح رکن الدین الحنفی الناگوری	(م ۹۲۰ھ)
(۱۳) خزانۃ الروایات	قاضی جگن گجراتی	(م ۹۲۰ھ)
(۱۴) الفتاویٰ النقشبندیہ	معین الدین محمد بن خواجہ محمود النقشبندی	(م ۱۰۸۸ھ)
(۱۵) الفتاویٰ العالمگیریہ	شیخ نظام برہان پوری	(م ۱۰۹۰ھ)
(۱۶) مجمع البرکات	ابوالبرکات بن رکن الدین دہلوی	(م ۱۱۱۹ھ)
(۱۷) مسلم الثبوت	علامہ محبّ اللہ بہاری	(م ۱۱۱۹ھ)
(۱۸) البیاض فی الفقہ	محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی	(م ۱۱۷۴ھ)
(۱۹) فاکہۃ البستان	محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی	(م ۱۱۷۴ھ)
(۲۰) افتائے ہندی	محمد اسحاق دہلوی	(م ۱۲۶۳ھ)
(۲۱) فتاویٰ اشرفیہ فی الفروع الحنفیہ	مفتی شرف الدین رام پوری	(م ۱۲۶۸ھ)
(۲۲) الفتاویٰ الغیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب البغدادی	

(۲۳) کشف القناع عن وجوہ السماع	علامہ فخر الدین زرادی
(۲۴) رسالہ اباحۃ السماع	سلیمان زکریا ملتانی
(۲۵) الفائق فی اصول الدین	محمد بن عبد الرحیم
(۲۶) صنوان القضاء وعنوان الافتاء	ابوحامد محمد بن الخطیب رتحقیق قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
(۲۷) نصاب الاحتساب	قاضی ضیاء الدین عمر الحنفی
(۲۸) فتاویٰ امینیہ	امین عبید اللہ مومن آبادی
(۲۹) فتاویٰ براہنہ	علامہ نصر الدین لاہوری
(۳۰) مختصر الفتاویٰ	عبد الحمید بن عبد اللہ ٹھٹھوی
(۳۱) فتاویٰ سراجیہ	محمد بن محمد سعید لکھنوی
(۳۲) فتاویٰ اخبار شاہی	عتیق اللہ بن اسماعیل بن قاسم
(۳۳) فتاویٰ ضیائیہ	عمر بن محمد ستّامی
(۳۴) کتاب التفرید فی الفروع	
(۳۵) فتاویٰ فیروز شاہی (بزبان فارسی)	

برصغیر میں اردو فتاویٰ:

برصغیر میں فتویٰ نویسی کے کام اور فتاویٰ کے مجموعوں کی ترتیب کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے، اس سلسلہ میں ادھر دوسو سال میں غالباً پہلا معروف نام حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) کا ہے، اس کے بعد حضرت مولانا عبد الحئی فرنگی محلیؒ، حضرت مولانا مفتی عبد القادر فرنگی محلیؒ (م ۱۳۷۹ھ)، مولانا محمد قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی انصاریؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ)، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (م ۱۳۴۶ھ)، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (م ۱۳۹۶ھ)، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ (م ۱۳۷۲ھ)، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (م ۱۳۴۷ھ)، حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد یاسین مبارکپوریؒ (م ۱۴۰۴ھ)، شاہ عبد الوہاب قادری ویلوریؒ (م ۱۳۳۷ھ)، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ (م ۱۳۵۹ھ)، مفتی محمد عثمان غنیؒ، مفتی محمد عباس پھلوارویؒ، مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ، مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ)، مفتی محمد نظام الدین اعظمیؒ (م ۱۴۱۸ھ)، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (م ۱۴۲۲ھ)، مفتی سید احمد علی سعیدؒ، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (م ۱۴۱۷ھ)، مولانا مرغوب احمد لاجپوریؒ (م ۱۳۷۷ھ)، مفتی رشید احمد

صاحبؒ پاکستانی، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانیؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ صاحب مفتی محمد فرید پاکستانی صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مولانا مفتی احمد خانپوری، مفتی ظہور احمد ندوی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مفتی شاکر خان صاحب پونہ وغیرہم آتے ہیں۔

جن علماء کرام کے فتاوے عام طور پر شائع شدہ ہیں، ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ عزیزی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	(م۱۲۳۹ھ)
(۲) مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ	مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ	(م۱۳۰۴ھ)
(۳) فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	(م۱۳۲۳ھ)
(۴) تالیفات رشیدیہ	فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	(م۱۳۲۳ھ)
(۵) باقیات فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	(م۱۳۲۳ھ)
(۶) عزیز الفتاویٰ	مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	(م۱۳۴۷ھ)
(۷) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	(م۱۳۴۷ھ)
(۸) فتاویٰ مظاہر علوم	مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	(م۱۳۴۶ھ)
(۹) امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	(م۱۳۶۲ھ)
(۱۰) امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ / مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ	
(۱۱) امداد المفتیین	مفتی شفیع صاحب عثمانی دیوبندیؒ	(م۱۳۹۶ھ)
(۱۲) کفایت المفتی	مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ	(م۱۳۷۲ھ)
(۱۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	مولانا حسین احمد مدنیؒ	(م۱۳۷۷ھ)
(۱۴) نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین اعظمیؒ	(م۱۴۱۸ھ)
(۱۵) فتاویٰ سعیدیہ	سید احمد علی سعیدؒ	
(۱۶) فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	(م۱۴۱۷ھ)
(۱۷) فتاویٰ امارت شرعیہ	مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ وغیرہ	(م۱۳۵۹ھ)
(۱۸) فتاویٰ قاضی	قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	(م۱۴۲۲ھ)
(۱۹) فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ	
(۲۰) فتاویٰ باقیات صالحات	مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ	(م۱۳۳۷ھ)

(۲۱)	فتاویٰ احیاء العلوم	مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ	(م۱۴۰۴ھ)
(۲۲)	احسن الفتاویٰ	مفتی رشید احمد پاکستانیؒ	
(۲۳)	خیر الفتاویٰ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ	
(۲۴)	فتاویٰ مفتی محمود	حضرت مولانا مفتی محمود پاکستانیؒ	
(۲۵)	فتاویٰ حقانیہ	مولانا عبد الحق پاکستانیؒ	
(۲۶)	فتاویٰ دیوبند پاکستان المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ۔ مفتی محمد فرید پاکستانیؒ		
(۲۷)	فتاویٰ بینات	مجلس دعوت وتحقیق اسلامی جامعہ بنوریہ پاکستان	
(۲۸)	فتاویٰ عثمانی	مفتی محمد تقی عثمانی پاکستانی	
(۲۹)	مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوریؒ	(م۱۳۷۷ھ)
(۳۰)	محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری	
(۳۱)	کتاب الفتاویٰ	مفتی خالد سیف اللہ رحمانی	
(۳۲)	فتاویٰ ندوۃ العلماء	مفتی ظہور احمد ندوی	
(۳۳)	حبیب الفتاویٰ	مفتی حبیب اللہ قاسمی	
(۳۴)	فتاویٰ شاکر خان	مفتی شاکر خان پونہ	
(۲۵)	فتاویٰ فرنگی محل	مولانا محمد عبد القادرؒ	(م۱۳۷۹ھ)
(۳۶)	فتاویٰ دار العلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق	
(۳۷)	فتاویٰ قیام الملۃ والدین	مولانا محمد قیام الدین عبد الباری انصاری فرنگی محلیؒ	
(۳۸)	فتاویٰ سعیدیہ	مفتی محمد سعید محدث بنارسیؒ	
(۳۹)	فتاویٰ شریفی	مفتی احمد شریفؒ	
(۴۰)	فتاویٰ صدارت العالیہ	مولانا مفتی محمد رحیم الدینؒ	
(۴۱)	فتاویٰ عثمانی	علامہ منور الدینؒ	
(۴۲)	فتاویٰ محبوبیہ	احمد حسین خاںؒ	
(۴۳)	فتاویٰ محمدی	محمد قیام الدینؒ	
(۴۴)	فتاویٰ نظامیہ	مفتی رکن الدینؒ	
(۴۵)	فتاویٰ مظہر سعادت	مولانا مفتی عبد اللہ مظاہری	
(۴۶)	علم الفقہ	مولانا عبد الشکور لکھنویؒ	
(۴۷)	دینی مسائل اوران کا حل	مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری	

(۴۸) المنتخب فی فتاویٰ الحنفیة

ان کے علاوہ بھی کچھ کتابیں ہیں جن میں موجودہ عہد کے مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

(۱)	منتخبات نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین اعظمیؒ	(م ۱۴۱۸ھ)
(۲)	الحیلة الناجزة	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	(م ۱۳۶۲ھ)
(۳)	الاقتصاد فی التقلید	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
(۴)	بوادر ونوادر	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
(۵)	جواہر الفقہ	مولانا مفتی شفیع احمد دیوبندیؒ	(م ۱۳۹۶ھ)
(۶)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	مولانا مفتی شفیع احمد دیوبندیؒ	
(۷)	مسئلہ امارت اور ہندوستان	مولانا عبدالصمد رحمانیؒ	(م ۱۳۹۳ھ)
(۸)	کتاب الفسخ والتفریق	مولانا عبدالصمد رحمانیؒ	
(۹)	کتاب العشر والزکوٰة	مولانا عبدالصمد رحمانیؒ	
(۱۰)	فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل	مولانا مجیب اللہ ندوی	
(۱۱)	اجتہادی مسائل	مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی	
(۱۲)	آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	
(۱۳)	بینک انشورنس اور سرکاری قرضے	مولانا برہان الدین سنبھلی	
(۱۴)	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	
(۱۵)	جدید فقہی مسائل	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	
(۱۶)	فتاویٰ قاضی	قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	(م ۱۴۲۲ھ)

ان کے علاوہ کچھ دوسرے علماء کرام کے بھی فتاویٰ ہیں۔(۱)

---

(۱) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

بریلوی مکتبۂ فکر کے مؤسس مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ "العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویة" کے نام سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، صاحب فتاویٰ کے بہت سے رسائل بھی شامل ہیں، لیکن افسوس کہ بدعات کی تائید بلکہ اختراع اور مسلمانوں کی تکفیر میں مصنف کا قلم شمشیر بے نیام رہتا ہے۔ اہل حدیث مکتبۂ فکر کے بھی کئی فتاویٰ اردو زبان میں شائع ہوئے ہیں، جن میں شاہ محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ کے فتاویٰ "فتاویٰ نذیریہ" (۲ جلدیں) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے "فتاویٰ ثنائیہ" اور مولانا عبدالسلام بستوی کے "اسلامی فتاویٰ" کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، ان فتاویٰ میں احناف اور غیر مقلدین کے درمیان اختلافی فروعی مسائل کو زیادہ مرکز توجہ بنایا گیا ہے، علماء اہل حدیث ہی میں نواب صدیق حسن صاحبؒ کے فتاویٰ بھی ہیں جو دو مختصر جلدوں پر اور ۱۳۴ صفحات پر مشتمل ہیں اور اس میں بھی سلفی فکر اور لب ولہجہ کی پوری پوری نمائندگی ہے۔ اخبارات ورسائل میں بھی سوال وجواب کی اشاعت کا طویل عرصہ سے معمول ہے، عالم عرب میں روزنامہ "الدیة" کے علاوہ "التضامن الإسلامی" اور "المجتمع" وغیرہ میں سوال وجواب کے کالم ہوتے ہیں، ہندوستان کے اخبارات میں روزنامہ "الجمعیة" میں احکام وحوادث کا کالم بہت مقبول تھا، "کفایت المفتی" انہی سوالات وجوابات کا مجموعہ ہے۔ ==

دارالافتا

برصغیر ہندو پاک میں دینی علوم کی ترویج واشاعت کے لیے جس طرح درسگاہیں قائم ہوئیں دارالعلوم اور جامعات

== ـ ـ ـ اس سلسلہ کی ایک نہایت ہی اہم اور قابل ذکر کوشش مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' ہے، مولانا موصوف روز نامہ ''جنگ'' کراچی میں فقہی سوالات کے جوابات لکھا کرتے تھے، ان سوالات وجوابات کا مجموعہ ۹ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ـ ـ ـ سوال وجواب کا ایک قابل قدر مجموعہ حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے: ''سوال وجواب --- کتاب وسنت کی روشنی میں'' (۴ جلدیں) یہ صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب (مقیم جدہ) کے جوابات ہیں جو خلیج کے مشہور اور منفرد اردو روز نامہ ''اردو نیوز'' میں دیئے جاتے ہیں، یہ ایک وقیع مجموعہ ہے اور خلیج میں بسنے والے تارکین وطن کی رہنمائی کے لیے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ـ ـ ـ ہندوستان میں متعدد اخبارات ورسائل میں فقہی سوال وجواب کے کالم کا سلسلہ جاری بھی ہے اور مقبول بھی، جن میں ہفت روزہ ''نقیب'' امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ، ماہنامہ ''ہدایت'' جے پور، روز نامہ ''انقلاب'' بمبئی، روز نامہ ''سیاست'' حیدرآباد اور روز نامہ ''منصف'' حیدرآباد (جو ہندوستان میں سب سے کثیر الاشاعت اخبار ہے) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، کتاب الفتاویٰ زیادہ تر اسی آخر الذکر اخبار کے سوالات وجوابات پر مشتمل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ ملخصاً جلد اول مقدمہ: ۲۳۸ تا ۲۴۶)

عالم عرب اور فتاویٰ کے مجموعے :

فتاویٰ کے مجموعوں کی ترتیب کا جو مزاج اس دور میں پایا جاتا ہے، اور خاص طور سے علماء ہند میں، پچھلے دور میں اس کا رواج کم تھا، لیکن پھر بھی بہت سے بزرگوں کے فتاویٰ اور جوابات کا مجموعہ ہمیں ملتا ہے، چنانچہ ''المدونۃ'' کو فقہ مالکی میں اسی طرز پر جمع کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ کے تلامذہ سے سوالات کئے گئے ہیں اور سوال وجواب کو مرتب کر دیا گیا ہے، اسی طرح علامہ ابن صلاح کے فتاویٰ مشہور ہیں جو **عبد المعطی أمین قلعجی** کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، امام نوویؒ کے فتاویٰ کو ابن عطار نے ''المنثورات في عیون المسائل المھمات'' کے عنوان سے مرتب کیا ہے، اور مولانا محمد رحمت اللہ ندوی کی تحقیق اور دراسۃ کے ساتھ یہ مجموعہ حال ہی میں شائع ہو چکا ہے، شیخ احمد علیش مالکی کے فتاویٰ ''تبصرۃ الحکام'' کے حاشیہ پر ایک زمانہ سے شائع شدہ ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ کے فتاویٰ بھی فتاویٰ غیاثیہ کے ساتھ طبع شدہ ہیں، اس طرح کے بہت سے فتاویٰ متقدمین اور متاخرین کے دور میں پائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے مفصل اور مدلل فتاویٰ وہ ہیں جو علامہ ابن تیمیہؒ کے افادات ہیں، اور جنہیں ۳۷ جلدوں میں مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہؒ کے نام سے حکومت سعودی عرب نے شائع کیا ہے، یہ عقیدہ وکلام، تفسیر وحدیث، فقہ اسلامی اور تزکیہ وترہیب کے موضوع پر ایک زبردست انسائیکلوپیڈیا ہے، لیکن اس مجموعہ میں فتاویٰ کے علاوہ علامہ ابن تیمیہؒ کے رسائل اور تالیفات بھی شامل ہیں، اور یہ بھی اہل علم کے لیے محتاج اظہار نہیں کہ علامہ ابن تیمیہؒ ہیں تو فقہ حنبلی کے متبع، لیکن مقلد محض نہیں ہیں بلکہ بہت سے مسائل میں اپنی مجتہدانہ رائے رکھتے ہیں۔

ماضی قریب میں عالم عرب کے جن اہل علم کے فتاویٰ مرتب ہوئے اور ان کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی، ان میں شیخ شلتوت کے فتاویٰ کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور انہوں نے نئے مسائل پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے، اسی طرح شیخ جیاد الحق سابق شیخ الازہر کے اہم فتاویٰ بھی ''**بحوث و فتاویٰ اسلامیۃ فی قضایا معاصرۃ** '' کے نام سے تین جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں، اسی طرح سلفی مکتبۂ فکر کے ترجمان شیخ عبد اللہ بن باز کے فتاویٰ بھی طبع ہو چکے ہیں پچھلے دنوں نئے مسائل سے متعلق ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے فتاویٰ کی دو جلدیں ''**فتاویٰ معاصرۃ**'' کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہیں، اس طرح کے بعض اور فتاویٰ بھی عالم عرب کے فقہا کے منظر عام پر آئے ہیں۔

ادھر ایک بہتر رجحان بعض عرب ملکوں میں انفرادی فتاویٰ کے بجائے اجتماعی طور پر فتویٰ صادر کرنے کا شروع ہوا ہے، اس سلسلہ میں سعودی عرب میں ''**ھیئۃ کبار العلماء** '' اور کویت میں '' **اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء و البحوث**'' خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان کے فتاویٰ کے مجموعے شائع بھی ہو رہے ہیں۔ (مقدمہ کتاب الفتاویٰ جلد اول: ۲۳۶ تا ۲۳۸)

وجود میں آئے، اسی طرح ان کے شعبہ کے طور پر دارالافتاء بھی قائم ہوئے، اور کچھ جگہوں پر مستقلاً بھی دارالافتاء قائم ہوئے، یہ سلسلہ ہندو پاک کے علاوہ بہت سے ملکوں میں آج بھی قائم ہے، ہندو پاک میں جو اہم دارالافتاء ایک طویل عرصہ سے قائم ہیں اور وہاں مفتیان کرام مسند افتا پر بیٹھ کر فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، ان کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے!

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی:

انگریزی دور حکومت میں ۱۸۵۷ء کے بعد، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نے اپنے چند ساتھیوں اور عقید تمندوں کے ساتھ ملکر ۱۲۸۳ھ میں ایک دینی ادارہ کی ''مدرسہ اسلامی عربی'' کے نام سے داغ بیل ڈالی، جس نے تھوڑے ہی دنوں میں دارالعلوم (اسلامی یونیورسٹی) کی حیثیت اختیار کرلی اور اس اسلامی و دینی یونیورسٹی میں جہاں دوسرے شعبہ جات قائم ہوئے ''دارالافتاء'' کا قیام بھی عمل میں آیا۔

ابتدا میں استفتاء بانی دارالعلوم امام ربانی قاسم العلوم حضرت نانا توئیؒ کی خدمت اقدس میں آتے رہے، ان پر چونکہ ولایت غالب تھی اس لئے آپ کی تاکید تھی کہ سوالات عارف باللہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کئے جائیں، اس لئے کہ آپ فقیہ النفس عالم باعمل تھے۔

کچھ دنوں امام ربانی حضرت نانوتویؒ نے یہ خدمت افتا اپنے استاد زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (المتوفی ۱۳۰۲ھ) سے بھی لی، خود امام ربانی خدمت افتا سے عموماً احتراز فرماتے تھے۔

۱۳۱۰ھ سے مسلسل رجب ۱۳۴۶ھ تک اس عہدۂ افتا پر عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ فائز رہے، دارالعلوم کے احاطہ میں بیٹھ کر یہاں کے شعبہ دارالافتاء کی مہر سے جو فتاویٰ ملک و بیرون ملک میں بھیجے گئے اس کی ابتدا رئیس المفتین حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے ہوئی اور یہی فتاویٰ ''فتاویٰ دارالعلوم'' کے نام سے مشہور ہے۔ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے بعد بھی مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مفتی مہدی حسنؒ، مفتی محمود حسنؒ، مفتی نظام الدینؒ، مفتی احمد علی سعیدؒ، مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی و دیگر اصحاب فقہ وفتاویٰ نے مسند افتا کو زینت بخشی اور برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش کے علاوہ دنیا کے مختلف ملکوں کے افراد استفتاء بھیج کر جواب حاصل کرتے ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ دارالعلوم کا دارالافتاء پوری دنیا میں فقہ حنفی کا سب سے بڑا مرکز ہے، ہر دور میں یہاں کے فتاویٰ پر عوام وخواص کا اعتماد رہا ہے اور آج بھی ہے۔(۱)

اس دارالافتاء میں باضابطہ ایک سالہ دارالافتاء کا تربیتی نظام بھی قائم ہے جس میں ممتاز فضلاء کا انتخاب عمل میں آتا

(۱) مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ملخصاً جلد اول

ہے، یہاں کے تربیت یافتہ مفتیان کرام دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ افتا کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔

دارالافتاء گنگوہ، سہارنپور، یوپی:

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے بعد جن اکابر علمانے علم دین کی خدمت کی ان میں سرفہرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تھے، آپ اپنے وطن گنگوہ میں ہی رہتے تھے اور وہیں سے بیعت وارشاد، تعلیم وتزکیۂ باطن اور تدریس فقہ وحدیث کی خدمت انجام دیتے تھے، آپ کی حیثیت فقیہ النفس عالم کی تھی، اس لیے عوام وخواص کا رجوع آپ کی طرف ہوتا تھا، اور استفتا بھیج کر جوابات حاصل کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ نے اپنی زندگی میں ہزاروں فتاوے لکھے، مگر ہر فتوے کو نقل کرنے کا التزام نہیں تھا، اس لیے بہت کم فتاویٰ ایسے تھے جو وہاں نقل ہو کر محفوظ رہے، آپ کی وفات کے بعد مرادآباد کے ایک عالم نے جو فتاویٰ ان کو حاصل ہوئے، ان کو فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے شائع کیا، یہ بہت ہی قلیل فتاویٰ تھے، بڑی مقدار لوگوں کے پاس رہی، جو لمبا زمانہ گذرنے سے ضائع ہوگئی، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب کو کہ انہوں نے مختلف مراجع ومصادر سے اور کئی قلمی بیاضوں سے آپ کے فتاویٰ کا ایک بڑا حصہ جمع کیا اور اسے ''باقیات فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ اسی طرح ممبئی کے ایک صاحب خیر نے حضرت رحمہ اللہ کے فتاویٰ رشیدیہ کے ساتھ دوسرے فتاویٰ ورسائل کو شامل کر کے ''تالیفات رشیدیہ'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

دارالافتاء فرنگی محل، لکھنؤ، یوپی:

فرنگی محل اپنے علمی اور فقہی خدمات کی وجہ سے ایک مشہور عالم خانوادہ ہے، جہاں ایک طرف علم کی خدمت ہوئی وہیں ایک طویل عرصہ سے دارالافتاء بھی قائم ہے، حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی رحمہ اللہ وہاں کے علما میں سے ایک ہیں، ان کے فتاوے بھی ''مجموعۂ فتاویٰ عبدالحئی'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، اسی طرح زمانہ دراز تک حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقادر رحمہ اللہ (م: اگست ۱۹۵۹ء مطابق صفر ۱۳۷۹ھ) نے افتا کے فرائض انجام دیئے ہیں، ان کے فتاوے ''فتاویٰ فرنگی محل موسوم بہ فتاویٰ قادریہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا محمد قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی رحمہ اللہ نے بھی فتاویٰ کا کام کیا ہے جو فتاویٰ قیام الملۃ والدین کے نام شائع ہوئے ہیں۔

دارالافتاء خانقاہ تھانہ بھون، مظفرنگر، یوپی:

خانقاہ تھانہ بھون نہ صرف تعلیم وتزکیۂ باطن کے لیے معروف ہے بلکہ احکام شریعت کی تشریح اور فقہ اسلامی کی نشرو

اشاعت کا عظیم مرکز رہا ہے، وہاں سے جو فتاوے جاری ہوتے تھے وہ نہ صرف عوام کے لیے مفید ہوتے تھے، بلکہ علما وخواص بھی اپنے استفتا بھیج کر اہم مسائل میں جواب حاصل کرتے تھے، حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے جو فتاویٰ خود تحریر فرمائے ان کا عظیم الشان مجموعہ ''امداد الفتاویٰ'' چھ جلدوں میں ہے، جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

لیکن سوالات کی کثرت کے باعث حکیم الامت نے خانقاہ تھانہ بھون کے بعض دوسرے علماء محققین کو بھی فتاویٰ لکھنے پر مامور فرمایا تھا، جو آپ ہی کی رہنمائی میں فتاویٰ لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کرنے اور آپ کی نظر واصلاح کے بعد وہ فتاویٰ روانہ کر دیئے جاتے تھے، اشاعت کی غرض سے ہر عالم کے لکھے ہوئے فتاویٰ الگ الگ رجسٹروں میں نقل کر کے محفوظ کر لئے جاتے تھے، اس طرح آپ کی رہنمائی میں جو فتاویٰ لکھے گئے ہیں ان کے مندرجہ ذیل تین مجموعے تیار ہو گئے جن کے نام بھی حضرت ہی نے تجویز فرمائے تھے۔

(۱) امداد الاحکام: یہ زیادہ ضخیم مجموعہ ہے، اس کتاب کو متعدد وجوہ سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ہی کی تالیف کا درجہ حاصل ہے۔

(۲) امداد المسائل: یہ فتاویٰ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی رحمہ اللہ سے لکھوائے تھے، صفر ۱۳۳۴ھ تک کے یہ فتاویٰ چھوٹے چھوٹے چار رجسٹروں میں دار العلوم کراچی کے شعبہ ''مجلس خیر'' میں محفوظ ہیں، مگر طبع نہیں ہوئے ہیں، ان کی تمہید میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ان میں صرف پہلے مہینہ کے فتاویٰ مجھے دکھائے گئے ہیں، باقی میں اس کا التزام نہیں کیا گیا۔

(۳) جمیل الفتاویٰ: یہ تھوڑے سے فتاویٰ ہیں جو حضرت حکیم الامت نے مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ سے ۱۳۶۰ھ میں لکھوانے شروع کئے تھے، ان کی بھی طباعت نہیں ہو سکی۔(۱)

(۴) امداد الفتاویٰ: یہ کتاب عارف باللہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے فتاوے کا مجموعہ ہے جوانہوں نے دار العلوم دیوبند، جامع العلوم کانپور اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام کے دوران تحریر فرمایا تھا جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے مرتب کیا ہے، جس پر مفتی سعید احمد پالنپوری مدظلہ نے مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

دار الافتاء مظاہر علوم، سہارنپور، یوپی:

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی ہندوستان کے ان اہم ترین دینی اداروں میں ہے جہاں سے ہزاروں افراد تعلیم پا کر نکلے، اور دین وعلم کی خدمت میں مشغول ہوئے۔ وہاں تعلیم وتدریس کے ساتھ ابتدا ہی سے دار الافتاء کا شعبہ قائم

(۱) امداد الاحکام جلد اول: ۹۴-۹۵۔

ہے۔اس شعبہ سے ملک و بیرون ملک سے آنے والے مختلف علمی وفقہی سوالات کے تحقیقی جوابات لکھے جاتے ہیں، یہ شعبہ۱۳۳۸ھ میں باضابطہ قائم ہوا،اس سے پہلے حضرات اساتذہ ومشائخ اعزازی طور پر یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ اس اہم کام کے لیے کئی مفتیان کرام متعین ہیں،اسی طرح جو فتاویٰ یہاں سے جاری ہوتے ہیں ان کی نقل ایک رجسٹر میں محفوظ رکھی جاتی ہے چنانچہ نقل فتاویٰ کے لیے بھی ایک مفتی صاحب مامور ہیں۔

مظاہر علوم میں تمرین افتا کا ایک مستقل درجہ بھی قائم ہے جس میں فضلاء مدارس کو فتاویٰ نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے اس درجہ میں حسب ضابطہ پندرہ طلبہ کا داخلہ لیا جاتا ہے۔اس ادارہ کے فتاویٰ کا مجموعہ شرعی احکام ومسائل کا زبردست خزانہ ہے جو۱۰ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے،شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ کو ان فتاویٰ کی جمع و ترتیب کا مستقل احساس تھا اور کبھی کبھی خصوصی مجلس میں فرماتے تھے کہ فتاویٰ کی ترتیب کا کام میری نظروں میں صرف دو ہی لوگ کر سکتے ہیں مفتی محمود یا قاری مظفر۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ کا قابل قدر مجموعہ ہے جو حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے مظاہر علوم کے دارالافتاء میں دوران خدمت تحریر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے جنہوں نے اپنے استاذ محترم کی تعلیمات اور فیوض کو عام کرنے کے لیے فتاویٰ کے نقل کی اجازت مرحمت فرمائی اور ناشرین ومرتبین کا علمی تعاون فرمایا، یہ بیش بہا فقہی مجموعہ ’’فتاویٰ محمودیہ‘‘ کے نام سے شائع ہوا ہے۔

بہرحال حضرت شیخ کی خواہش کے مطابق تو یہ جلیل القدر کام نہ ہوسکا البتہ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین رحمہ اللہ نے اپنی حیات میں صرف اسی کام کے لیے ایک صالح، متدین، مخلص اور محنتی مفتی جناب مولانا عبد الحسیب اعظمی کا انتخاب فرمایا اور موصوف کی غایت محنت اور نہایت عرق ریزی کے بعد اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی فتاویٰ مظاہر علوم المعروف بہ فتاویٰ خلیلیہ‘‘ شعبہ نشر واشاعت سے شائع ہوچکی ہے۔(۱) جس میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو شامل کیا گیا ہے۔

دارالافتاء جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی:

۱۸۵۷ء کے جنگ کی ناکامی کے بعد مسلمانان ہند جس دینی وعلمی، معاشی واقتصادی بحران سے گذر رہے تھے ان حالات میں مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت ورہنمائی یہی تھی کہ کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس سے مسلمانوں کا دینی وملی تشخص برقرار رہ سکے، چنانچہ چند مخلص غیور اور ملت اسلامیہ کا حقیقی درد رکھنے والے علما اٹھے

(۱) مقدمہ مظاہر علوم المعروف بہ فتاویٰ خلیلیہ۔

اور ۱۸۶۶ء میں دار العلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی، جس کے ساتھ ہی ایک انقلاب آفریں تبدیلی کا آغاز ہوا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی کے طور پر ۱۸۹۹ء میں حضرت مولانا حکیم الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ مرید قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور کو ایک مکتب کی شکل میں قائم فرمایا، حضرت مولانا شکر اللہ صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ میں یہ جامعہ کی شکل اختیار کیا، جامعہ کے فرزندوں نے تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وخطابت ہر میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

مشرقی یوپی میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی مقبولیت اور مرکزیت کی بناپر عام مسلمان اپنی دینی ضرورت کے لیے یہاں سے رجوع کرتے تھے، چونکہ جامعہ کے پہلے مدرس مولانا محمد محمود صاحب تھے، اس لیے شروع میں زبانی طور پر لوگ مسائل ان سے ہی پوچھا کرتے تھے۔ احیاء العلوم کے دوسرے مفتی مولانا مفتی محمد یاسین مبارکپوری رحمہ اللہ تھے، مفتی صاحب کے زمانہ میں فتاویٰ نویسی کا دور سب سے روشن اور شاندار رہا، آپ کے فتاویٰ محققانہ ہوتے تھے۔ وہاں کا دار الافتاء اپنے قیام سے آج تک فتوؤں کے لیے معروف ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے اور فتاویٰ کا ایک مجموعہ فتاویٰ احیاء العلوم کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔(۱)

دار الافتاء دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ:

دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، یوپی، ملک کا ایک بڑا دینی وتعلیمی مرکز ہے، یہاں ہر دور میں اصحاب فضل وکمال کی جماعت رہی ہے، یہاں تدریس ودیگر علمی سرگرمیوں کے ساتھ فتاویٰ کا کام بھی ہوتا ہے، محرم ۱۳۱۳ھ میں باقاعدہ دار الافتاء کا قیام مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی سرپرستی میں عمل میں آیا، دوسرے سال ہی مولانا کے آخری شاگرد مفتی عبد اللطیف صاحب کو باقاعدہ عہدہ افتا کے لیے مقرر کیا گیا، ان دو برسوں میں دار الافتاء کی طرف عوام وخواص کا رجوع ہوا۔ مولانا عبد اللطیف صاحب رحمہ اللہ کے بعد مولانا شبلی فقیہ جیراجپوری اس عہدہ کے لیے مقرر ہوئے ان کے بعد مفتی محمد سعید ندوی اس کام کو انجام دیتے رہے، اس کے بعد یہ اہم ذمہ داری مولانا مفتی محمد ظہور ندوی کے سپرد کی گئی۔

دار الافتاء دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں فتاویٰ محفوظ رکھنے کا اہتمام کبھی ہوا، اور کبھی بعض وجوہات کی بناپر نہیں ہوسکا، تاہم فتاویٰ لکھنے کا کام تسلسل کے ساتھ ہوتا رہا، ۱۴۱۱ھ سے ۱۴۳۰ھ تک جو فتاویٰ رجسٹر میں محفوظ کیے گئے ان کی تعداد ۲۵۲۴۰ تک پہنچ چکی ہے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی ایما پر ترتیب فتاویٰ کا کام شروع کیا گیا، چنانچہ جولائی ۲۰۰۵ء میں اس کام کے لیے باضابطہ مولانا منور سلطان ندوی کو متعین کیا گیا، انہوں نے ترتیب اور حوالہ جات کی تحقیق وتخریج کا کام شروع کیا اب تک دو جلدیں تیار ہو چکی ہیں آگے کا کام جاری ہے۔(۲)

(۱) مقدمہ فتاویٰ احیاء العلوم جلد اول۔

(۲) فتاویٰ ندوۃ العلماء جلد اول: ۳۳۔۳۷۔

دارالافتاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ:

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمہ اللہ نے جب بہار میں ''نظام امارت'' قائم فرمایا تو جن شعبوں کی طرف آپ نے اولین توجہ فرمائی، ان میں شعبۂ افتا بھی ہے، ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، ابتداءً امارت کا شعبۂ افتا پھلواری شریف اور گیا دونوں جگہ کام کرتا تھا، گیا کا رجسٹر فتویٰ تو محفوظ نہیں رہ سکا، لیکن پھلواری شریف میں ۱۳۶۴ھ تک جن فتاویٰ کے جوابات دیئے گئے اور ان کی نقل محفوظ رہ پائی، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے ان کی تعداد ''۹۰۳۱'' لکھی ہے۔ گیا سے صادر ہونے والے فتاویٰ اور وہ فتاویٰ جن کی نقل محفوظ نہیں کی جاسکی، اندازہ ہے کہ کم وبیش ان کی تعداد بھی یہی رہی ہوگی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امارت شرعیہ کے دارالافتاء کو شروع ہی سے اعتماد واعتبار اور قبول عام حاصل رہا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت دارالافتاء امارت شرعیہ ملک کے ان تین چار ممتاز اداروں میں ایک ہے، جہاں سب سے زیادہ استفتا آتے ہیں اور ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ امارت شرعیہ کے اس اہم شعبہ سے ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے ہزاروں دینی مسائل کے جواب دیئے جاتے ہیں، پھلواری شریف پٹنہ کے علاوہ دارالافتاء امارت شرعیہ کا ایک مرکز خانقاہ رحمانی مونگیر میں قائم ہے اور وہاں سے بھی اسی طرح فتاویٰ جاری ہوتے ہیں، جیسے پھلواری شریف سے، اب تک ان دونوں جگہوں کے فتاویٰ کا انتخاب پانچ جلدوں میں ''فتاویٰ امارت شرعیہ'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے، اس کا ایک غیر مطبوعہ فتاویٰ کا بڑا ذخیرہ رجسٹر میں محفوظ ہے جس پر کام ہو رہا ہے۔(۱)

دارالافتاء مدرسہ قاسمیہ شاہی، مرادآباد:

مدرسہ قاسمیہ شاہی، مرادآباد، یوپی، دینی تعلیم کا قدیم مرکز ہے، یہاں دارالافتاء بھی مدرسہ کے قیام کے زمانہ سے ہی قائم ہے، البتہ ابتدا میں زبانی اور لکھ کر لوگوں کی شرعی رہنمائی کا کام ہوتا تھا، ۱۳۴۲ھ میں جب سوالات کی آمد زیادہ ہوگئی اور صدر مدرس مولانا احمد حسن امروہویؒ کو اپنی دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ کار افتا میں دشواری ہونے لگی تو باضابطہ دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے مفتی کی حیثیت سے مولانا مفتی مصلح الدین عمری رحمہ اللہ کو مقرر کیا گیا۔ فی الحال دو مفتیان کرام حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی اور مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری کے ذمہ افتا کی ذمہ داری ہے۔ ۱۴۱۰ھ سے ترتیب فتاویٰ کا کام نائب مفتی مولانا سلمان منصور پوری اور مولانا کلیم اللہ سیتاپوری کے تعاون سے جاری ہے۔

دارالافتاء جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور:

جنوبی ہند کے صوبہ تامل ناڈو کا شہر ویلور سوا سو سال سے زائد سے علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس کا مرکز رہا ہے

(۱) تاریخ امارت: ۲۶۱۔، ودینی جدوجہد کا روشن باب۔

اور وہاں جامعہ باقیات صالحات قائم ہے۔اس کا دارالافتاء ملک کے ان قدیم دینی وفقہی مراکز میں ہے جس کے ذریعہ ہزاروں افراد نے سوالات کر کے فقہی رہنمائی حاصل کی ہے۔ جب جامعہ باقیات صالحات سن ۱۳۰۱ھ میں قائم ہوا تو اس کے پیش نظر ایسے جانباز مخلص رجال کار کی تیاری تھی جو علوم دینیہ کی نشر واشاعت کے ساتھ امت مسلمہ میں اتباع سنت اور رد بدعت پر وسیع پیمانے پر خدمات انجام دے سکیں،۱۳۰۱ھ میں یہ ادارہ درس وتدریس کے نئے نظام کے ساتھ مدرسہ باقیات صالحات کا قالب اختیار کیا۔اس ادارہ کے بانی حضرت مولانا مفتی عبدالوہاب صاحب رحمہ اللہ جب حیدرآباد سے اپنے وطن ویلور واپس آئے تو اولاً انہوں نے اپنی خدمات کا آغاز وعظ وارشاد سے کیا اور اسے امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنایا،ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب ایک فقیہ بھی تھے اس لیے مسائل کے بارے میں بھی لوگوں کا رجوع رہا اور دارالافتاء کا کام بھی جاری رہا۔اس طرح انہوں نے فقہ وفتاویٰ کی ایک بڑی خدمت کی، ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ باقیات صالحات'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔(۱)

دارالافتاء سبیل السلام حیدرآباد:

دارالعلوم سبیل السلام میں تدریس کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت فتاویٰ لکھنے کا بھی سلسلہ قیام دارالعلوم کے زمانہ سے ہی رہا،شروع میں تو جو فتاویٰ جاری کئے جاتے تھے،ان کے نقل کرنے کا اہتمام نہیں تھا،لیکن جب مدرسہ اپنی اصل زمین ''بارکس''،میں منتقل ہوا،تو فتاویٰ باضابطہ نقل کئے جانے لگے،اس طرح کے دو رجسٹر جس میں مولانا مفتی مظہر الدین قاسمی مرحوم،مولانا مفتی عبدالودود مظاہری،اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہم کے فتاویٰ تھے،ضائع ہوگئے،البتہ فتاویٰ کا ایک رجسٹر محفوظ رہا،جس میں ایک اچھی خاصی تعداد مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے جوابات کی ہے۔وہ سوال وجواب مولانا خالد صاحب کے مجموعہ کتاب الفتاویٰ میں شامل ہیں۔دارالافتاء سبیل السلام کے زمانہ قیام سے اب تک فتاویٰ کا سلسلہ جاری ہے اور وہاں اچھے مفتی رہے ہیں۔

دارالافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین،سملک،ڈابھیل،گجرات:

گجرات قدیم زمانہ سے علمی مرکز رہا ہے،اسی کا ایک قصبہ سملک ڈابھیل ہے،جہاں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین واقع ہے،اس کے تحت دارالافتاء بھی قائم ہے،یہاں اکابر علماء کی ایک جماعت درس وتدریس اور افتاء کے کاموں میں مصروف رہتی آئی ہے،ان میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کی شخصیت بھی تھی۔۱۹۲۷ء میں جب آپ دارالعلوم دیوبند سے یہاں تشریف لائے تو دارالافتاء قائم ہوا اور تقریباً دو ماہ آپ نے فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا،آپ کے بعد ساڑھے چار سال تک مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ ودیگر اصحاب علم جیسے حضرت مولانا احمد بزرگ سملکی

(۱) مقدمہ فتاویٰ باقیات صالحات۔

رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب رحمہ اللہ، مولانا مفتی اسماعیل گورا رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی نے افتا کی خدمت کی، اور سن ۱۴۰۶ھ سے مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ اس ذمہ داری کو ادا کر رہے ہیں، آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ محمود الفتاویٰ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔(۱)

دارالافتاء جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات:

دارالافتاء جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات اہم دارالافتاء میں ہے، یہاں سے ہزاروں فتاویٰ اب تک جاری ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عبداللہ مظاہری صاحب کی سرپرستی میں اصحاب علم کی جماعت اس خدمت کو انجام دے رہی ہے، وہاں سے فتاویٰ کی پہلی جلد ''فتاویٰ مظہر سعادت'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے جس میں مفتی صاحب کے تخصص افتا کے زمانہ میں لکھے گئے فتاویٰ کو شامل کیا گیا ہے، آئندہ کام جاری ہے۔

دارالافتاء دارالعلوم، کراچی، پاکستان:

فقیہ ملت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ ایک کہنہ مشق اور صاحب نظر فقیہ تھے، اللہ تعالیٰ نے فقہ وفتویٰ میں آپ کو بلند مقام عطا فرمایا تھا، پہلے دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کے اہم منصب پر فائز تھے، پھر ۱۹۴۸ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے تو یہاں بھی مسلمان اپنے مسائل کے حل کے لیے بکثرت رجوع کرنے لگے اور حضرت مفتی صاحب احکام شرعیہ سے انہیں آگاہ فرمانے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ آپ کی ذات گرامی نے کراچی میں بھی ایک چلتے پھرتے دارالافتاء کی حیثیت اختیار کر لی، پھر عوام الناس کی سہولت کے لیے برنس روڈ کراچی کی مسجد باب السلام سے متصل ایک دارالافتاء قائم فرمایا جہاں آپ نے سات سال تک فتوے کا کام کیا۔

جب حضرت مفتی صاحب نے جامعہ دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی تو اس کے ذریعہ صرف طلبہ کی علمی پیاس بجھانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دارالافتاء بھی قائم فرمایا تاکہ دور دراز کے مسلمان بھی اپنی علمی ضروریات میں رہنمائی حاصل کر سکیں، چنانچہ دنیا کے اطراف واکناف سے مسلمان اپنے سوالات بھیجنے لگے اور یہاں سے ان کے علمی وتحقیقی جوابات لکھے جانے لگے، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کے جلیل القدر صاحبزادگان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحبان نے اپنے زمانے کے اکابر اصحاب افتا کے علاوہ اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سے فتوے کی خصوصی تربیت حاصل کی اور والد ماجد کی آخری سانس تک ان کی نگرانی میں اس طرح کام کیا کہ کوئی اہم تحریر انہیں دکھائے بغیر شائع نہیں کی، بانی جامعہ اور ان کے قابل قدر جانشینوں کی محنت سے دارالافتاء ایک خاص مرجعیت کا حامل ہے۔

(۱) محمود الفتاویٰ جلد اول: ۱۹۱-۱۹۹۔

بانی جامعہ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کے علاوہ خدمت افتا میں حضرت مولانا مفتی صابر علی، مولانا مفتی سحبان محمود، مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری رحمہم اللہ، مولانا محمد رفیع عثمانی، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد عبداللہ، مولانا محمود اشرف عثمانی، مولانا عبدالرؤف، مولانا اصغر علی ربانی اور مولانا عبدالمنان صاحب کے نام نمایاں ہیں۔

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان:

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، لاہور، پاکستان کا باضابطہ قیام ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے کیا اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ سابق مفتی اعظم پاکستان کو اس کا رئیس مقرر کیا گیا، اس سے قبل خود حضرت بنوری رحمہ اللہ جامعہ میں عوام الناس کی شرعی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے تھے، تدریس کے ساتھ ساتھ خود فتاویٰ نویسی کا کام کرتے تھے۔

دارالافتاء سے سالانہ ہزاروں فتاویٰ جاری ہوتے ہیں، جن کا باقاعدہ ریکارڈ کیا جاتا ہے، یہ دارالافتاء ایک بڑا علمی مرکز ہے جہاں سے ہر سال کئی ہزار کی تعداد میں فتاویٰ جاری ہوتے ہیں۔ جامعہ سے دیئے گئے فتوے کی ترتیب کا کام جاری ہے، فی الحال جامعہ سے شائع ہونے والا مجلّہ بینات میں جو تحقیقی استفتا کے جوابات شائع ہوتے تھے اسے فتاویٰ بینات کے نام سے چار جلدوں میں شائع کیا گیا ہے، جامعہ کے ویب سائٹ پر بھی دارالافتاء والقضاء کی طرف سے جاری فتاویٰ کو بعینہ درج کیا جارہا ہے جو موجودہ حالات میں ایک مستحسن قدم ہے۔

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک (نوشہرہ) پاکستان:

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (نوشہرہ) پاکستان کی شہرت ومقبولیت کے ساتھ اس کے دارالافتاء کو بھی عالم اسلام میں سند اعتماد اور مقبولیت عامہ حاصل رہی ہے، یہاں زمانہ قیام ۱۳۶۶ھ سے افتا کا سلسلہ جاری ہے، بانی دارالعلوم حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سابق استاد دارالعلوم دیوبند جہاں حدیث کی خدمت انجام دیتے تھے وہیں لوگوں کے سوالات کے جوابات بھی دیتے تھے لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ دارالافتاء کے نظام کو بہتر طور پر انجام دیا جائے، اس کے لیے انہوں نے دارالافتاء کے نظام سے مولانا مفتی محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالحلیم زروبی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد علی سواتیؒ، مولانا مفتی قاضی انوارالدین صاحب، مولانا مفتی محمد یوسف بونیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحلیم کوہستانی صاحب وغیرہم کو جوڑا، اور یہ سلسلہ جاری رہا، مولانا سمیع اللہ صاحب، مولانا محمد ہاروت صاحب، مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب، مولانا مفتی سیف اللہ ہاشم خان صاحب، مولانا مفتی عبدالحلیم کلاچوی، مولانا عبدالحق قندہاروی، مولانا مفتی محبوب الرحمٰن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صدیقی صاحب، مولانا مفتی غلام قادر نعمانی صاحب، مولانا مفتی مختار اللہ حقانی، مولانا محمد ابراہیم فانی وغیرہم نے بھی دارالافتاء

کے نظام سے وابستہ ہوکر فتویٰ نویسی کا کام کیا اور فتاویٰ کا سلسلہ جاری ہے۔ وہاں سے صادر ہونے والے فتاویٰ کا ایک منتخب مجموعہ ''فتاویٰ حقانیہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

دارالافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان، پاکستان:

ہندوستان کی تقسیم کے بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے پاکستان ہجرت کی اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی خواہش اور اصرار پر جنوبی پنجاب کے تاریخی شہر ''مدینۃ الاولیاء'' ملتان میں ۲۲/ ذیقعدہ/ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خیر المدارس قائم کیا، ساتھ ہی دارالافتاء کا قیام بھی عمل میں آیا، وہاں کے دارالافتاء میں برابر جید اور ماہر مفتیان کرام افتا کی خدمت پر مامور رہے، جس سے مقامی و بیرونی اصحاب اپنے سوالات پیش کر کے جوابات حاصل کرتے رہے ہیں، یہاں سے بڑی تعداد میں فتاویٰ صادر ہوئے ہیں، یہاں سے صادر ہونے والے فتاویٰ کے منتخبات کئی جلدوں میں ''خیر الفتاویٰ'' کے نام سے مرتب ہوکر شائع ہو چکے ہیں۔

دارالافتاء مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، پاکستان:

ملتان اپنی جائے وقوع کے اعتبار سے پاکستان کا ایک مشہور شہر ہے، یہاں مدرسہ قاسم العلوم ہند و پاک کی آزادی کے قبل سے قائم ہے، مدرسہ میں زمانہ قیام سے ہی دارالافتاء کا نظام ہے، جہاں سے مسلمان اپنے شرعی مسائل کا حل دریافت کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ میں دارالافتاء کو وقار حاصل ہوا ہے، آج بھی دارالافتاء سے ہر سال ہزاروں فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اور دیگر مفتیان کرام کے فتووں کو منتخب کر کے مولانا فضل الرحمٰن صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان نے ''فتاویٰ مفتی محمود'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع کیا ہے۔

دارالافتاء والارشاد، کراچی، پاکستان:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد پاکستانی رحمہ اللہ بڑے عالم تھے، فقہ و فتاویٰ پر ان کی نگاہ عمیق و وسیع تھی، لوگ ان سے مختلف سماجی و معاشرتی اور دینی و ملی سوالات کرتے، جن کا وہ کتاب و سنت کی روشنی میں تشفی بخش جوابات دیتے، سن ۱۳۸۳ھ میں انہوں نے ایک فقہی و اصلاحی ادارہ ''دارالافتاء والارشاد'' کے نام سے کراچی پاکستان میں قائم کیا اور مستقلاً اسی ادارہ کے ذریعہ آپ نے فقہ و فتاویٰ کی خدمت انجام دی، احسن الفتاویٰ کے بہت سارے فتاویٰ وہیں سے جاری کئے گئے ہیں اور آج بھی وہاں سے فتاویٰ کا سلسلہ جاری ہے۔

کتب فتاویٰ

ہندوستان کے علما وفقہا کی تصانیف جامعیت، تحقیق اور اپنے عہد کے جدید مسائل کے حل میں انتہائی اہم ہیں، ان میں، شرح وتحقیق بھی ہے اور اجتہادی شان بھی، اس لیے کہ نئے مسائل کا شرعی حکم قیاس واجتہاد کے بغیر ممکن نہیں۔ ہندوستان میں جب مسلمانوں کی آمد ہوئی تو ابتدا میں علم حدیث پر زیادہ توجہ دی گئی، خاص طور پر سندھ اور گجرات کے ساحلی شہروں میں۔ اس کے بعد اہل علم کی فکر وتوجہ کا مرکز علم فقہ بن گیا اور حضرت امام ابوحنیفہؒ ودیگر مجتہدین کی فکری وفقہی تسلسل کو آگے بڑھایا گیا، چنانچہ یہاں کے علما ومفتیان نے فقہ وفتاویٰ کی جو خدمات انجام دی ہیں، اس کا سلسلہ تاریخی طور پر ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے، مگر دوسو سال کے عرصہ میں مختلف دارالافتاء سے جو فتاویٰ علما نے دیئے ہیں، وہ انتہائی اہم ہیں، ان پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد کے قدیم وجدید تمام ہی مسائل استفتا کی شکل میں ان کے سامنے پیش ہوتے رہے اور انہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے جوابات دیئے۔ ان کے فتاویٰ پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل خصوصیتیں خاص طور پر نظر آتی ہیں!

(۱) وہ پہلے سوال پڑھ کر سائل کی حیثیت ذہن میں قائم کرتے ہیں اور پھر اسی کے مطابق جواب تحریر فرماتے ہیں، ایک ہی طرح کے متعدد سوالات میں سائلین کے درجے کی حیثیت سے مطول اور مختصر جواب دیتے ہیں۔

(۲) ان کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ کافی غور وخوض اور تفکر وتدبر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور اس تفکر کے وقت مسئلہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا ہے جو ان کی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہو۔

(۳) جوابات کے سلسلہ میں انداز بیان سلجھا ہوا، صاف ستھرا اور پختہ ہوتا ہے، کہیں کسی مسئلہ میں تذبذب کی راہ اختیار نہیں کرتے، بلکہ مسائل کی تہہ تک پہنچتے ہیں اور جو جواب تحریر فرماتے ہیں وہ ہر پہلو سے جامع اور مکمل ہوتا ہے۔

(۴) سوالات کے جوابات ایسے واضح ہوتے ہیں کہ اگر سوال حذف کر دیا جائے تو بھی نفس مسئلہ جواب سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ انداز بیان سلیس اور جامع، معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ لیتا ہے کسی کو کوئی الجھن پیش نہیں ہوتی ہے۔

(۵) مسائل کے جواب میں عرف زمانہ پر گہری نظر رکھتے، اگر کسی مسئلہ کے دو مختلف مُفتیٰ بہ قول ہیں تو ایسے موقع پر سہل وآسان قول کو اختیار کرتے اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ ایسی صورت ہرگز اختیار نہیں کرتے جو عوام کے لئے مشکلات پیدا کرنے والی ہو۔

(۶) استفتا کے جواب میں ہمیشہ مفتیٰ بہ قول کو اختیار کرتے ہیں الّا یہ کہ انسانی ضرورت عدول کا تقاضا کرتی ہوتو ایسی صورت میں ضرورتاً غیر مفتیٰ بہ قول کو بھی اختیار کرتے ہیں۔

(۷) ان حضرات کو اس بات کا احساس تھا کہ عوام کے لئے حکم بتا دینا ہی کافی ہے، مگر علما کے لئے دلائل فراہم کرنا بھی ضروری ہے، اس لئے سائل اگر عام مسلمانوں کے طبقہ میں ہوتا اور وہ مسائل کی علت دریافت کرتا تو اس کو صرف حکم شریعت بتانے پر اکتفا کرتے۔ لیکن اگر کوئی عالم سوال پوچھتا تو اسے علمی انداز سے جواب دیتے اور علل وحکم کو بھی واضح کرتے۔

(۸) بعض مفتیان کرام کا انداز یہ ہوتا ہے کہ عام معروف مسئلہ کے جواب کا حوالہ درج نہیں کرتے ہیں البتہ اہم مسائل کے جواب میں فقہی کتب یا احادیث کے حوالہ بھی درج کرتے ہیں۔ بلکہ بعض فتاویٰ میں دلائل کی تفصیل بھی ہے، خاص طور پر احادیث کے دلائل نہایت شرح وبسط سے محدثانہ اصول پر بیان کئے گئے ہیں۔

(۹) کچھ مسائل ایسے ہیں جن میں فقہ حنفی و دیگر فقہ میں اختلاف ہے، ان مسائل کے بیان میں فتاویٰ اس شرح وبسط سے دلائل کے ساتھ دیئے گئے ہیں کہ وہ مستقل رسالوں کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔

(۱۰) ہندوستان و پاکستان کے علما کے یہ فتاویٰ تقریباً دوسو سال کے جدید وقدیم مسائل کے حل پر مشتمل ہیں، اس لئے جدید سے جدید مسئلہ چاہے وہ دنیا کے کسی خطہ میں پیش آیا ہو اکثر و بیشتر سوال وجواب کی صورت میں ان کا حل ان فتاویٰ میں نظر آتا ہے۔

ان مذکورہ خصوصیات کے حامل فتاویٰ کی جو کتابیں فقہ حنفی کے اعتبار سے معتبر اور اہم ہیں اور جنہیں اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، ان کا ایک مختصر تعارف ذیل میں دیا جاتا ہے:

فتاویٰ عزیزی:

انگریزی دور حکومت میں غیر سرکاری طور پر جن علما نے افتا کے فرائض ذاتی طور پر انجام دیئے ان میں سب سے زیادہ مشہور فقیہ، محدث کبیر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء وفات: ۱۲۳۹ھ) کا نام نامی ہے جن کے فتاویٰ کا مجموعہ فتاویٰ عزیزی کے نام سے فارسی زبان میں شائع ہوا ہے، جس کا بعد میں اردو ترجمہ ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ ۶۳۱ر صفحات پر مشتمل ہے جس میں تمام ابواب فقہ سے متعلق اہم ۳۴۷ر فتاویٰ کا انتخاب ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ:

یہ کتاب فقیہ النفس عارف باللہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۴۴- وفات: ۱۳۲۳ھ) کے

فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف اوقات میں اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں آنے والے استفتاءات کے جواب لکھے ہیں۔ یہ مجموعہ کل ۵۰۴ر صفحات پر مشتمل ہے جس میں کل ۲۰۳۴ر فتاویٰ کا انتخاب کیا گیا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ کے علاوہ محترم جناب مولانا نور الحسن کاندھلوی صاحب نے مولانا گنگوہیؒ کے غیر مطبوعہ فتاویٰ کی ایک مناسب تعداد حاصل کر کے ''باقیات فتاوی رشیدیہ'' کے نام سے شائع کیا ہے جس میں ۹۹۸ فتاویٰ، ۶۰۰ر صفحات پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح فتاویٰ رشیدیہ کے ساتھ حضرت کے دوسرے فتاویٰ ورسائل پر مشتمل ایک مجموعہ ''تالیفات رشیدیہ'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

مجموعہ فتاویٰ عبدالحئی:

حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی رحمہ اللہ (ولادت: ذیقعدہ ۱۲۶۴ھ، م ۱۳۰۴ھ) کو اللہ جل شانہ نے تفقہ کی نعمت سے نوازا تھا، اور آپ نے حدیث وفقہ کی عظیم خدمت انجام دی ہے، آپ کے فتاویٰ فارسی زبان میں ہیں اور ان کا پہلا مجموعہ خلاصۃ الفتاویٰ کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں جملہ احکام فقہیہ کو بہت اچھے اور مناسب انداز میں اختصار کے ساتھ مگر مدلل بیان کیا گیا ہے اور بعض مسائل ضروریہ میں تفصیل بھی ہے، تمام مسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر مسئلہ کو پہلے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر فقہا کے اقوال اور ان کی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ ان تمام فتاویٰ کو مولانا خورشید عالم صاحب رحمہ اللہ سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے نئی ترتیب وتبویب کے ساتھ آسان اور سلیس اردو میں منتقل کیا ہے، جو ''فتاوی عبدالحئی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور نو سو مسائل پر مشتمل ہے۔

عزیز الفتاویٰ:

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ (۱۲۷۵ھ۔۱۳۴۷ھ) صدر مفتی اول دارالعلوم دیوبند کے منتخب فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے آپ کے شاگرد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحبؒ نے مرتب کیا ہے، اس مجموعہ میں ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۴ھ تک کے لکھے گئے فتاویٰ کا انتخاب کیا گیا ہے، ۱۳۵۷ھ میں کئی جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی تھی، اب ایک ضخیم جلد میں ''فتاویٰ دارالعلوم موسوم بہ عزیز الفتاویٰ'' کے نام سے زکریا آفسیٹ پریس، دیوبند، سہارنپور، یوپی، سے طبع ہوا ہے، جو ۱۴۹۱ فتاویٰ اور ۷۵۴ صفحات پر مشتمل ہیں۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے لاکھوں فتاویٰ جاری ہوئے ہیں ابتدا میں ۱۳۱۰ھ سے مسلسل رجب ۱۳۴۶ھ

تک عہدۂ افتاء پر عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ تنہا مفتی کی حیثیت سے رہے، مگر اس چھتیس سالہ دور افتاء میں نقول صرف ۱۳۲۹ھ سے ملتے ہیں اس سے پہلے اٹھارہ سال کے فتاویٰ کی نقلیں موجود نہیں ہیں۔ دارالعلوم کے احاطہ میں بیٹھ کر یہاں کے شعبہ دارالافتاء کی مہر سے جو فتاویٰ ملک و بیرون ملک میں بھیجے گئے، اسکی ابتدا رئیس المفتیین حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے ہوئی اور یہی فتاویٰ ''فتاویٰ دارالعلوم'' کے نام سے مشہور ہیں جن کی کل ۱۴؍جلدیں شائع ہو چکی ہیں، مزید کام جاری ہے یہ فتاویٰ تعداد، مسائل کے حل اور تحقیق کے اعتبار سے انتہائی بے نظیر ہیں، زبان بہت صاف ستھری آسان اور سہل ہے ان فتاویٰ کے مرتب حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ ہیں جن کی ترتیب و تحقیق کے ساتھ ۱۲؍جلدیں شائع ہوئیں، ان کے بعد کی جلدیں حضرت مولانا مفتی امین قاسمی صاحب نے مرتب فرمائی ہیں۔

فتاویٰ مظاہر علوم:

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی میں شروع سے فتویٰ کا سلسلہ جاری رہا ہے، پہلے مفتی کے طور پر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۶۹ھ مطابق: ۱۸۵۲ء، وفات: ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء) کا نام آتا ہے جن کے فتاویٰ محفوظ ہیں، ''فتاویٰ مظاہر علوم المعروف بہ فتاویٰ خلیلیہ'' کی پہلی جلد شعبہ نشر و اشاعت سے شائع ہو چکی ہے۔ جس میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو شامل کیا گیا ہے، یہ فتاویٰ تحقیق و تدقیق اور مسائل کے بیان میں انتہائی اہم ہیں بعض نئے مسائل بھی اس میں درج ہیں۔

امداد الفتاویٰ:

یہ کتاب عارف باللہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۸۰ھ وفات: ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء) کے فتاوے کا مجموعہ ہے جو انہوں نے دارالعلوم دیوبند، جامع العلوم کانپور اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام کے دوران تحریر فرمایا جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے مرتب کیا ہے، جس پر مفتی سعید احمد پالنپوری مدظلہ نے مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ یہ کل ۶؍ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور قدیم و جدید مسائل کے حل و بیان میں علماو خواص کا مرجع ہے۔

امداد الاحکام:

یہ ان فتاویٰ کا نادر روزگار مجموعہ ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی رہنمائی میں آپ کے جلیل القدر بھانجے اور شاگرد رشید حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ (۱۳۱۰ھ۔۱۳۹۴ھ) نے تحریر فرمایا اور کچھ مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمہ اللہ (۱۳۱۵ھ۔۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء) کے تحریر فرمودہ ہیں۔

یہ مجموعہ تقریباً انیس سال (محرم ۱۳۴۰ھ سے شوال ۱۳۵۸ھ تک) کے فتاویٰ پر مشتمل ہے جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سے فتاویٰ پر حضرت حکیم الامتؒ کے تصدیقی دستخط ہیں، اور جن پر تصدیقی دستخط نہیں ہیں وہ بھی اکثر آپ کے زبانی مشورے سے لکھے گئے ہیں، اور جن فتاویٰ میں مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ان کی صحت پر بھی آپ کو تقریباً ایسا ہی اعتماد تھا جیسے اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر۔ فتاویٰ کا یہ مجموعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے مقدمہ اور ترتیب کے ساتھ پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں زکریا بکڈپو دیوبند سے متعدد جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

کفایت المفتی:

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۵ء، وفات: ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء) مفتی اعظم ہند کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے سہ روزہ الجمعیۃ میں حوادث و احکام کے عنوان سے تحریر کیا، یا مدرسہ امینیہ دہلی کے دارالافتاء سے جاری ہوئے، ان کے فتاویٰ کو آپ کے فرزند مولانا حفیظ اللہ واصف صاحب نے مرتب کر کے ''کفایت المفتی'' کے نام سے نو جلدوں میں شائع کیا ہے، زمانہ آگہی، اپنے عصر اور عہد کے حالات کی رعایت اور شستہ و شگفتہ زبان و تعبیر آپ کا خاص امتیاز ہے، اس مجموعہ کی فہرست اجمالی تھی اس لیے لوگوں کو استفادہ میں بہت دشواری پیش آتی تھی، اللہ جزائے خیر دے مولانا عبدالقیوم (استاذ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل) کو کہ انہوں نے اس کی تفصیلی فہرست تیار کر دی ہے جس کی وجہ سے کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ دارالاشاعت اردو بازار کراچی پاکستان سے بھی شائع ہوئی ہے۔

فتاویٰ شیخ الاسلام:

یہ کتاب شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء، وفات: ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء) سے مختلف اوقات میں پوچھے گئے استفتا کے جواب کا مختصر مجموعہ ہے، جسے مولانا محمد سلمان منصور پوری استاد حدیث و فقہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی نے مرتب کیا ہے یہ فتاویٰ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود بہت ہی اہم ہیں۔

امداد المفتیین:

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ (ولادت: ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء، وفات: ۱۳۹۶ھ) کے ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۶۲ھ تک کے لکھے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں مفتی کی حیثیت سے لکھے

تھے، اس مجموعہ کو آپ نے خود کئی جلدوں میں مرتب کیا تھا، اب یہ نئی ترتیب وتبویب کے ساتھ ایک ضخیم جلد میں ''فتاویٰ دار العلوم موسوم بہ امداد المفتیین'' کے نام سے زکریا آفسیٹ پریس، دیوبند، سہارنپور، یوپی، سے طبع ہو کر دستیاب ہے اور مسائل کے حل میں بے نظیر ہے۔

نظام الفتاویٰ / منتخبات نظام الفتاویٰ:

نظام الفتاویٰ اور منتخبات نظام الفتاویٰ حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی رحمہ اللہ کے ان فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے، جسے انہوں نے دار العلوم دیوبند میں مفتی اور صدر مفتی کی حیثیت سے لکھے تھے، آپ کے فتاویٰ میں احوال زمانہ کی رعایت، اور شریعت کی حدود اربعہ میں رہتے ہوئے جدید عہد کے پیدا شدہ مسائل میں تیسیر وسہولت کا پہلو پایا جاتا ہے، منتخبات نظام الفتاویٰ جدید مسائل کے حل کے اعتبار سے تمام علماء ہند کی موجودہ کتب فتاویٰ میں سب سے ممتاز ہے، اسی وجہ سے مفتی صاحب نے منتخب فتاویٰ کا یہ مجموعہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ اللہ (م ۱۴۲۲ھ) کی خواہش پر ان کے سپرد فرمایا، جس کی پہلی دو جلدیں ان کی زندگی میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئی تھی، جسے بعد میں مزید حوالہ جات کی تحقیق اور جدید ترتیب کے ساتھ تین جلدوں میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نئی دہلی نے ایفا پبلیکیشن کی طرف سے شائع کیا ہے ان کے علاوہ نظام الفتاویٰ کے نام سے متعدد جلدیں شائع ہوئی ہیں۔

فتاویٰ محمودیہ:

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (۱۳۲۵ھ-۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے دار العلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے زمانہ قیام کے دوران لکھے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ محمودیہ'' کے نام سے پہلی مرتبہ ۲۰/جلدوں میں شائع ہوا، جسے مولانا محمد فاروق میرٹھی صاحب نے مرتب کیا تھا، اس مجموعہ میں تین ہزار سے زائد مسائل شامل تھے، البتہ اس مجموعہ کی ترتیب اور فتاویٰ پر تخریج وتعلیق کے سلسلہ میں مزید محنت کی ضرورت تھی اور مکررات کو حذف کر دینا مناسب تھا۔ اب شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی تحقیق وتعلیق کے دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی پاکستان سے ۲۵/جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

فتاویٰ امارت شرعیہ:

امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ کا دار الافتاء ملک کے اہم ترین دار الافتاء میں ہے، زمانۂ قیام سے ابتک ہر دور میں فتاویٰ جاری ہوتے رہے ہیں۔ امارت شرعیہ کے فتاویٰ میں حضرت مولانا محمد عثمان غنیؒ (ولادت: ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء، وفات: ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء) کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا زیادہ بڑا ذخیرہ ہے، پھر حضرت مولانا مفتی محمد

عباس صاحبؒ (وفات: ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء)، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ (وفات: ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء)، حضرت مولانا قمرالدین صاحبؒ امیر شریعت ثالث اور خود بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ (ولادت: ۱۳۰۱ھ، وفات: ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء) کے قیمتی علمی فتاویٰ موجود ہیں، کبھی کبھی قاضی نورالحسن صاحبؒ (ولادت: ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء، وفات: ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء) بھی فتاویٰ لکھتے تھے۔ یہ فتاویٰ انتہائی اہم ہیں، خاص طور پر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے فتاویٰ ایسے ہیں جو اجتماعی، دستوری اور اہم ترین ملی مسائل سے متعلق ہیں، استبدال وقف کا مسئلہ ہو یا ترک موالات یا مدارس اسلامیہ کے لئے سرکاری امداد کا مسئلہ، ان کے جوابات میں ایک فقیہ النفس عالم کی فراست ایمانی نظر آتی ہے، انہوں نے آنے والے فتنوں کو کس طرح محسوس کیا اور فتاویٰ میں اس کا کیسے سد باب کیا، یہ علما اور اصحاب نظر کی خاص توجہ کے مستحق ہیں، اب تک فتاویٰ امارت شرعیہ کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں دو جلدوں کی ترتیب و تعلیق حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۲ء) نے کی اور باقی جلدوں کی ترتیب و تحشیہ مفتی محمد سعیدالرحمٰن قاسمی مفتی امارت شرعیہ نے کی ہے۔ ان جلدوں میں مذکورہ اکابر کے ساتھ مولانا مفتی نعمت اللہ قاسمی سابق مفتی امارت شرعیہ، مولانا مفتی صدر عالم صاحب سابق مفتی امارت شرعیہ، مولانا مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی مفتی امارت شرعیہ، مولانا مفتی سہیل احمد قاسمی مفتی امارت شرعیہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

فتاویٰ قاضی:

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمہ اللہ (ولادت: ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۶ء، وفات: ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۲ء) ایک معتبر اور صاحب نظر فقیہ تھے، انہوں نے پوری زندگی قضا اور مقدمات کے فیصلے کی خدمات انجام دیں، قاضی صاحبؒ عموماً استفتا کے جواب سے گریز کرتے تھے تاہم جن امور کا تعلق قضا سے نہیں یا فریقین قاضی صاحبؒ ہی کے فتویٰ پر عمل کے لیے رضامند ہوں ان مسائل میں آپ فتویٰ لکھتے تھے، قاضی صاحبؒ کے فتاویٰ میں اپنے اکابر کی طرح مدارج احکام کی رعایت عرف وضرورت زمانہ کا لحاظ بھرپور انداز میں پایا جاتا تھا، قاضی صاحبؒ کے فتاویٰ کی مجموعی تعداد ایک سو بیس ہے، ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کے ایک رفیق مولانا امتیاز احمد قاسمی نے اس کی ترتیب و تحشیہ کا کام کیا ہے جو ''فتاویٰ قاضی'' کے نام سے ۲۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایفا پبلیکیشن جوگا بائی نئی دہلی نے اسے شائع کیا ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ:

اللہ جل شانہ نے جہاں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ (ولادت: ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء) کو ایک اچھے قاری ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا تھا وہیں آپ کو فقہ و فتاویٰ میں ایک اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا، جامع مسجد نوساری میں آپ

امامت کے فرائض کے ساتھ لوگوں کے آئے ہوئے سوالات کا جواب بھی دیتے تھے، آپ کے فتاویٰ کافی شرح وبسط اور تحقیق پر مبنی ہوتے تھے اور اکابر علما نے ان فتاویٰ کی تحسین بھی کی ہے، یہ مجموعہ اردو کے علاوہ انگریزی اور گجراتی زبانوں میں بھی طبع ہو چکا ہے، چوں کہ آپ نے اپنی زندگی میں فتاویٰ مرتب کئے ہیں، اس لیے ایک ہی باب کے مسائل مختلف جلدوں میں آئے ہیں، گو مسائل میں تکرار نہیں ہے، اللہ جزائے خیر دے مفتی عبدالقیوم صاحب (ڈابھیل) کو، کہ انہوں نے فقہی ابواب کے اعتبار سے ایک تفصیلی فہرست مستقل ایک جلد میں مرتب کر دی ہے، جس نے فتاویٰ رحیمیہ سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ کی ۱۲؍جلدیں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔

فتاویٰ باقیات صالحات:

''فتاویٰ باقیات صالحات'' حضرت مولانا عبدالوہاب ویلوری رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۱ء، وفات: ۱۳۳۷ھ) کے ان فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے جو انہوں نے مدرسہ باقیات صالحات کے دارالافتاء سے جاری کئے تھے، انہوں نے ہزاروں فتاویٰ لکھے تھے مگر اس کا جو ذخیرہ مدرسہ باقیات کے رجسٹروں میں محفوظ تھا وہ بہت کم تھا۔ مولانا کے فتاویٰ عام طور پر جنوب میں بولی جانے والی دکھنی اردو کے اسلوب اور محاوروں پر مرقوم تھے، مولانا محمد یعقوب صاحب مرتب فتاویٰ باقیات صالحات نے مفہوم و مراد میں تغیر کئے بغیر صرف اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مجموعہ ان رجسٹروں میں محفوظ فتاویٰ کا ایک حصہ ہے۔ جو ۴۱۴؍صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں کل ۳۹۰؍فتاویٰ ہیں، کلر لتھو گرافی مدراس، ٦ سے طبع ہوا ہے۔

فتاویٰ احیاء العلوم:

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد یاسین مبارکپوریؒ (۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء-۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۳ء) کے ان فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے جو انہوں نے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کی تدریس کے زمانہ میں لکھے ہیں۔ یہ فتاوے بہت ہی اہم اور مدلل ہیں۔ یہ مجموعہ ۳۵۳؍صفحات ۲۷۵؍فتاوے پر مشتمل پہلی جلد مولانا جمیل احمد نذیری نے مرتب کر کے جامعہ احیاء العلوم مبارکپور سے شائع کیا ہے۔

فتاویٰ فرنگی محل:

فرنگی محل اپنے علمی اور فقہی کاموں کی وجہ سے ایک مشہور خانوادہ رہا ہے، ایک طویل عرصہ سے دارالافتاء قائم ہے جس میں زمانہ دراز تک حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقادرؒ (م: اگست ۱۹۵۹ء مطابق صفر ۱۳۷۹ھ) منصب افتا پر فائز رہے، ان کے فتاویٰ کو ''فتاویٰ فرنگی محل موسوم بہ فتاویٰ قادریہ'' کے نام سے مفتی محمد رضا انصاری نے مرتب کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۲۴٦صفحات پر مشتمل ہے۔

محمود الفتاویٰ:

مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، مولانا موصوف ۱۴۰۶ھ بعد عیدالاضحیٰ سے دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات میں منصب افتا پر فائز ہیں۔اس مجموعہ میں ماہ نامہ اذان بلال (آگرہ) اور ماہنامہ صوت القرآن میں شائع فتاویٰ کو شامل کیا گیا ہے، اس میں بعض فتاوے دارالافتاء کی فائلوں سے خود نوشتہ اور املاء کئے ہوئے بھی لئے گئے ہیں۔

کتاب الفتاویٰ:

یہ کتاب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جوانہوں نے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں آئے ہوئے سوالات کے جوابات میں لکھے ہیں۔

اس مجموعہ میں جو فتاویٰ شامل ہیں وہ پانچ طرح کے ہیں:

(۱) وہ فتاویٰ جو امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش پنجہ شاہ حیدرآباد سے دیئے ہیں۔

(۲) وہ فتاویٰ جو مولانا نے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے دارالافتاء سے دیئے ہیں۔

(۳) وہ استفتا جو مولانا کے پاس شخصی طور پر آئے ہیں۔

(۴) کچھ عرصہ ماہانہ ''افکار ملی دہلی'' کی خواہش پر بھی مولانا نے شرعی مسائل کا کالم لکھا۔

(۵) ۱۹۹۸ء سے روزنامہ منصف حیدرآباد کی ایک معیاری اردو روزنامہ کی حیثیت سے تجدید ہوئی، اس میں مولانا نے شروع ہی سے ''شمع فروزاں'' کے عنوان سے ایک کالم لکھا ہے، اس کالم میں پیش آنے والے نئے سماجی، اجتماعی اور سائنسی مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے جواب دیا جاتا تھا۔

اس طرح اس مجموعہ میں زیادہ تر فتاویٰ وہی ہیں جو منصف میں لکھے گئے اور دسمبر ۲۰۰۳ء تک کے جوابات اس میں شامل کئے گئے ہیں۔

مولانا کا معمول عام طور پر فتاویٰ اور جوابات میں حوالہ سے متعلق عبارتیں درج کرنے اور حوالہ لکھنے کا ہے، اس لیے کتاب میں حوالہ جات کی تخریج کا کوئی بڑا کام نہیں تھا، لیکن کہیں کہیں حوالہ جات چھوٹ گئے تھے اور حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے مسائل لکھائے گئے تھے، ان حوالہ جات کی تخریج کا کام مولانا مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری نے کی ہے اور ان کے علاوہ مولانا عمر عابدین قاسمی، مولانا محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا محمد بلال قاسمی، مولانا منور سلطان ندوی اور معہد کے بعض طلبہ نے کی ہے۔اس طرح ان فتاویٰ کو چھ جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

فتاویٰ ندوۃ العلماء:

یہ کتاب دارالافتاء ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے مفتیان کی طرف سے لکھے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس کتاب میں ۱۴۱۱ھ سے لکھے گئے فتاویٰ کو شامل کیا گیا ہے، جو مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب کی نگرانی میں انجام پایا تھا۔ اس کی پہلی جلد ۱۴۱۱/صفحات اور ۸۷۵/فتاوے پر مشتمل ہے۔ آئندہ کام جاری ہے۔

حبیب الفتاویٰ:

یہ کتاب مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب کا دارالافتاء جامعہ اسلامیہ، مہذب پور، اعظم گڑھ، یوپی سے جاری فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس کتاب میں نئے مسائل کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اب تک چھ جلدوں میں شائع ہوگئی ہے، آئندہ کام جاری ہے۔

فتاویٰ شاکر خان:

یہ مجموعہ دارالعلوم نیپالی، بیلگام، کرناٹک میں پوچھے گئے سوالات کے جوابات ہیں، مفتی شاکر خان پونا صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد فتاویٰ نویسی کا کام شروع کردیا تھا جو ہنوز جاری ہے، دو جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

احسن الفتاویٰ:

یہ کتاب مفتی رشید احمد پاکستانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے دارالافتاء دارالعلوم کراچی اور دارالافتاء والارشاد کراچی وغیرہ سے جاری فرمائے، حضرت مفتی صاحبؒ فقہ ومصادر فقہ پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں اور دلائل کے ساتھ مفصل جواب لکھتے ہیں، یہ مجموعہ علم وتحقیق کے معیار کے اعتبار سے بہت اہم ہے، یہ فتاویٰ شرح وتحقیق، نئے مسائل پر گفتگو اور بعض اختلافی مسائل میں سیر حاصل بحث، نیز فرق باطلہ پر مدلل رد کے اعتبار سے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں، اس مجموعہ میں بہت سارے فتاوے رسائل کی شکل میں ہیں۔ فتاویٰ کی ۱۰/جلدیں طبع ہوگئی ہیں۔

خیر الفتاویٰ:

یہ کتاب حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے قائم کردہ خیر المدارس، ملتان، پاکستان، کے دارالافتاء سے جاری فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ یہاں سے بڑی تعداد میں فتاویٰ صادر ہوئے ہیں، یہاں سے صادر ہونے والے فتاویٰ کے منتخبات ۶/جلدوں میں ''خیر الفتاویٰ'' کے نام سے کتابی شکل میں مرتب ہوکر شائع ہوچکے ہیں۔

فتاویٰ مفتی محمود:

مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، پاکستان کی انتظامیہ نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی رحمہ اللہ کو جب

دارالافتاء کی ذمہ داری دی تو انہوں نے دارالافتاء کے ذریعہ ہزاروں فتوے جاری کئے، ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۵ء تک تقریباً پچیس سالوں میں آپ نے تقریباً بائیس ہزار سے زائد فتوے دیئے، یہ مجموعہ پچیس سالہ دور افتاء میں دیئے گئے فتاویٰ کا ایک منتخب مجموعہ ہے جس کو ۱۰/ جلدوں میں جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان سے شائع کیا گیا ہے۔

فتاویٰ حقانیہ:

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ کٹک، پاکستان کے بانی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے مفتی مختار اللہ حقانی نے مرتب کیا ہے، جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے، اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

فتاویٰ دیوبند پاکستان المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ:

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ کٹک، پاکستان کی وقیع شہرت عامہ کے ساتھ ساتھ اس کے دارالافتاء کو بھی فقہ و فتاویٰ میں قیادت کی حیثیت حاصل ہے، دارالعلوم کے سن تاسیس ۱۳۶۶ھ سے افتا کا سلسلہ جاری ہے۔ ۱۳۸۶ھ میں جب حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ کی دارالعلوم آمد ہوئی تو دارالافتاء نے ایک منظّم شعبہ کی شکل اختیار کی اور عملی انضباط کے ساتھ ایک ادارہ کام کرنے لگا۔ یہ مجموعہ فتاویٰ کا وہ عظیم ذخیرہ ہے جو انہوں نے دارالعلوم حقانیہ کے قیام کے زمانہ میں دیئے ہیں، ۵/ جلدوں میں مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان نے شائع کیا ہے۔

فتاویٰ بینات:

علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بانی جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان نے مسلمانوں کی ذہنی وفکری اصلاح اور دینی تربیت کے لیے ایک مجلّہ بینات کے نام سے جاری فرمایا تھا، جس میں دوسرے مفید علمی و تحقیقی مقالات کے ساتھ اہم تحقیقی و فقہی مسائل بھی شائع کئے جاتے تھے، خاص طور پر جامعہ کی طرف سے جاری ہونے والے فتاویٰ بھی شائع ہوتے تھے، ان فتاویٰ کا ایک مجموعہ فتاویٰ بینات کے نام سے چار جلدوں میں مکتبہ بینات جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان سے شائع ہوا ہے، جبکہ جامعہ کے دیگر فتاویٰ کی ترتیب کا کام بھی جاری ہے۔

فتاویٰ عثمانی:

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے فتاوے کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں مولانا کے ان فتاویٰ کو شامل کیا گیا ہے، جو دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے باقاعدہ جاری کئے گئے اور دارالافتاء کے نقل فتاویٰ رجسٹروں میں ان کا اندراج ہے۔ اسی طرح سن ۱۳۸۷ھ و ۸۸ھ میں بہت سے لوگ ''البلاغ'' کی معرفت آپ کے پاس سوالات بھیجتے تھے اور آپ ان کے جوابات لکھتے، ان میں سے بعض فتاویٰ بہت ہی مفصل اور مدلل ہیں یہ فتاویٰ بھی

اس میں شامل ہیں۔اب تک فتاویٰ عثمانی کی ۳؍جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل:

۵؍مئی ۱۹۷۸ء میں ملک کے معروف اخبار روزنامہ ''جنگ'' پاکستان میں ''اقرأ'' کے نام سے اسلامی صفحہ کا آغاز ہوا، حضرت مولانا علامہ محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان رحمہ اللہ نے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے نام سے کالم شروع کیا، جس میں لوگوں کے سوالات آتے اور ان کے جوابات دیئے جاتے، بعد میں یہ سوال وجواب کتابی شکل میں آٹھ جلدوں میں مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان سے شائع کئے گئے، جس میں مسائل کے حوالے فقہ وحدیث سے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔

مرغوب الفتاویٰ:

مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری رحمہ اللہ (ولادت: ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء، وفات: ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء) ایک وسیع النظر باعمل فقیہ تھے، قرآن وحدیث پر بڑی گہری نظر تھی، آپ کے فتاویٰ مدلل اور فقہی بصیرت کے حامل ہیں، اہل برما کی دعوت پر آپ رنگون چلے گئے اور ایک مدرسہ میں تعلیم وافتا کی خدمت انجام دی، بعد میں رنگون کی مشہور ''سورتی جامع مسجد'' میں فتویٰ نویسی کا کام کیا، حضرت مولانا مرحوم کے فتاویٰ کی نقول ''سورتی جامع مسجد'' میں محفوظ ہیں، آپ کے پوتے مولانا مرغوب احمد صاحب نے فتاویٰ کے رجسٹروں کی فوٹو کاپی کرا کر ترتیب وتحقیق کے بعد ۶؍جلدوں میں شائع کیا ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ:

اس کتاب میں مولانا مفتی رضاء الحق صاحب کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے، موصوف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن پاکستان کے دارالافتاء سے منسلک رہے، فی الحال دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ سے منسلک ہیں اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری کے ساتھ دارالافتاء کے کاموں کو بھی انجام دیتے ہیں، جنوبی افریقہ کے ماحول کے حساب سے بہت سارے فتاویٰ دوسرے مسالک کے فقہ کے ذریعہ دیئے گئے ہیں، اس لیے انتخاب میں مسلک کی رعایت ضروری ہے۔۴؍جلدوں میں فتاویٰ شائع ہوچکے ہیں۔

فتاویٰ مظہر سعادت:

فتاویٰ مظہر سعادت کی پہلی جلد شائع ہوچکی ہے جس میں مولانا مفتی عبداللہ مظاہری صاحب ہانسوٹ کے تخصص افتاء کے زمانہ میں لکھے گئے فتاویٰ کو شامل کیا گیا ہے۔آئندہ کام جاری ہے۔

مفتیان کرام

برصغیر میں دوسو سال کے اندر جن اصحاب علم وفضل نے فتویٰ نویسی کے کام انجام دیئے، اوران کے فتاوے شائع ہوئے، ان کی تاریخ بڑی روشن اور تابناک ہے، ان بزرگوں کے حالات زندگی چشم کشا اور بصیرت افروز ہیں۔ یہ سلف کے طریقے پر گامزن تھے، علم اور تقویٰ ان کا شعار تھا، حق گوئی اور بے باکی ان کا نصب العین تھا، ضرورت تھی کہ ان کے احوال تفصیل سے لکھے جاتے اوران میں سے بہت سے اکابر کی سوانح تفصیلی طور پر موجود بھی ہیں، مگر یہاں اختصار کے ساتھ تحریر کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے صاحبزادے ہیں، مورخہ ۲۵ر رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۲۰ر ستمبر ۱۷۴۶ء بروز جمعہ دہلی میں پیدا ہوئے، تاریخی نام غلام حلیم تھا، سلسلۂ نسب ۳۴ر واسطوں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ طویل القامت، نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم تھے، ڈاڑھی گھنی تھی، خط نسخ ورقعہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھتے تھے، تیراندازی اور شہ سواری میں ماہر تھے۔

آپ نے قرآن شریف کے حفظ سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، آپ نے ان سے قراءت وسماعت کے ذریعہ پوری تحقیق ودرایت اور توجہ سے علم حاصل کیا، جس سے آپ کو علوم میں ملکۂ راسخہ حاصل ہوگیا، جب آپ ۱۶ر سال کے تھے، والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس کے بعد آپ نے شیخ نوراللہ بڑھانوی، شیخ محمد امین کشمیری سے استفادہ کیا، علمی اجازت شاہ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی سے حاصل ہوئی، ان حضرات سے ان علوم وکمالات میں استفادہ اوران کی تکمیل کی جو والد صاحب کی وفات سے تشنۂ تکمیل تھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد مسند درس پر فائز ہوئے اور آخری عمر تک پوری زندگی خدمت دین کی نذر کردی۔ آپ سے بڑے بڑے فضلا نے استفادہ کیا، اکثر اطراف کے طلبہ آپ کی خدمت میں اس ذوق وشوق سے حاضر ہوئے جیسے پیاسا پانی پر گرتا ہے۔ (۱)

(۱) ماخوذ از تذکرہ شاہ ولی اللہ: ۱۲۹۔۱۳۲۔

پچیس سال کی عمر میں آپ کو متعدد اذیت رساں امراض نے گھیر لیا جن کے سبب آپ مراق، جذام، برص میں مبتلا ہوئے اور بصارت جاتی رہی۔ اس وجہ سے اپنی تدریسی ذمہ داری اپنے دونوں بھائیوں شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے سپرد کردی مگر اس کے ساتھ خود بھی درس دیتے تھے۔

ان موذی امراض کے باوجود لطیف الطبع، حاضر جواب، خوش گفتار رہے اور تواضع، بشاشت اور مہر ومحبت کی یہی ادا قائم رہی جو شروع ہی سے تھی، آپ کی صحبت ذہن وفکر کو جلا بخشتی تھی، ان صحبتوں میں حیرت انگیز خبریں، چیدہ اشعار، دور دراز کے ملکوں، ان کے باشندوں اور وہاں کے عجائبات کا بیان اس طرح ہوتا تھا، جس سے سامعین کو محسوس ہوتا تھا کہ آپ اپنے مشاہدات بیان فرمارہے ہیں، حالانکہ آپ نے کلکتہ کے علاوہ کوئی اور شہر نہیں دیکھا تھا، مگر غیر معمولی طور پر ذہین اور متجسس فطرت کے مالک تھے، جس کے سبب آپ نے باہر سے دہلی آنے والوں اور معلومات افزا کتابوں سے یہ معلومات اپنے دماغ میں محفوظ کر لئے تھے۔

لوگ آپ سے علمی استفادہ کے لیے حاضر ہوتے، شاعر وادیب، ادبی استفادہ اور اپنا کلام دکھانے کے لیے اور محتاج وضرورت مند لوگ امراء سے سفارش کرانے اور آپ کی ممکن مدد حاصل کرنے کے لیے آتے، کیوں کہ آپ کے اخلاق کریمانہ کی شہرت عام تھی۔

موذی امراض کے باوجود درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، آپ کی تصانیف خاصی تعداد میں ہیں، چند تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) تفسیر فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی۔
(۲) تحفہ اثنا عشریہ۔
(۳) بستان المحدثین۔
(۴) عجالۂ نافعہ۔
(۵) فتاویٰ عزیزی (بزبان فارسی)۔
(۶) سر الشہادتین۔
(۷) میزان البلاغۃ۔

آپ کی وفات بعد نماز فجر یکشنبہ ۷ر شوال ۱۲۳۹ھ کو اسی سال کی عمر میں ہوئی اور دہلی کے درگاہ شاہ ولی اللہ مہدیان میں اپنے والد ماجد کے قریب مدفون ہیں۔(۱)

---

(۱) بحوالہ تذکرہ شاہ ولی اللہؒ: ۱۲۹ تا ۱۳۲۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی ولادت ۶؍ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو دوشنبہ کے دن گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔آپ کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحبؒ اپنے زمانہ کے جید عالم دین اور حضرت شاہ غلام علی مجددی (دہلی) کے مجاز تھے۔

قرآن مجید کی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں حاصل کی پھر اپنے ماموں کے پاس کرنال چلے گئے وہاں ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، پھر مولوی محمد بخش رام پوری سے صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی، دہلی میں کچھ دنوں مولانا احمد الدین پنجابی سے بھی پڑھا اور پھر مولانا مملوک علی نانوتوی کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا، جو مدرسہ عربی سرکاری (دہلی کالج) میں مدرس تھے اس مدرسہ کا پورا نصاب ونظام قدیم مدرسوں ہی کے مطابق تھا، یہیں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تعلق ہوا جو ساری عمر رہا، آپ دونوں ہم درس تھے، دہلی میں معقولات کی بعض کتابیں آپ نے مفتی صدر الدین آزردہ سے بھی پڑھیں، آخر میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی، پھر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں سہارنپور میں نواب شائستہ خاں کے قلعہ میں آپ نے ملازمت کی، پھر گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حجرے کو اپنی قیام گاہ بنایا اور یہیں سے تعلیم وارشاد، درس حدیث، فقہ وفتاویٰ اور اصلاح وتربیت کا سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا۔اس دوران آپ کا ذریعۂ معاش طب تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شاملی کے جہاد میں شریک ہوئے، معرکۂ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ آپ کے نام بھی جاری ہوا اور آپ کو گرفتار کر کے سہارنپور جیل بھیج دیا گیا، پھر وہاں سے مظفرنگر کے جیل میں منتقل کیا گیا، چھ مہینے آپ نے جیل میں گذارے، پھر رہائی ہوگئی۔

جیل سے رہائی کے بعد گنگوہ میں ہی پھر سے درس وتدریس اور افتا وارشاد کا سلسلہ شروع فرمایا، صبح سے ۱۲؍بجے تک طلبہ کو پڑھاتے تھے، ایک سال میں پوری صحاح ستہ ختم کرا دینے کا التزام تھا، تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔آخر عمر میں ضعف بصارت کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ بند ہوگیا، مگر ارشاد وتلقین اور افتا کا سلسلہ جاری رہا، ۸؍جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱؍اگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

حدیث اور فقہ حضرت گنگوہیؒ کے دو خاص موضوع تھے چنانچہ قیام گنگوہ کے زمانہ میں درس حدیث کے ساتھ فقہ و فتاویٰ کا سلسلہ جاری تھا اور ہندوستان کے علاوہ بیرون ملک سے بھی کثرت سے استفتا آپ کی خدمت میں آتے تھے، فقہ وفتاویٰ میں آپ کے مقام کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پاس جو استفتا آتے تھے حضرت نانوتویؒ عموماً وہ استفتاءات حضرت گنگوہیؒ کے سپرد کر دیتے تھے آپ ان کے جوابات لکھتے تھے، اسی طرح حضرت

نانوتویؒ کی وفات کے بعد بھی دارالعلوم دیوبند میں آنے والے اہم استفتاءات آپ ہی کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے آپ ان کے جوابات عنایت فرماتے تھے اور کبھی خود دارالعلوم تشریف لا کر استفتا کے جواب تحریر فرمایا کرتے تھے، آپ کی فقہی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے محدث کبیر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ آپ کو فقیہ النفس کہا کرتے تھے اور آپ کو علامہ ابن عابدین شامیؒ پر بھی ترجیح دیا کرتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس جماعت علما میں نظر نہیں آتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے درس وتدریس اور فقہ وفتاویٰ کے ساتھ مسلمانوں کی داخلی خرابیوں کے سد باب اور اسلام میں مشرکانہ اوہام وعقائد کے نفوذ کی راہوں کو بند کرنے نیز مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال کرنے کی جدوجہد میں زندگی صرف کی جس کی وجہ سے تصنیف وتالیف کا زیادہ موقع نہیں مل سکا، تاہم آپ نے چند کتابیں تالیف فرمائی ہیں وہ اپنے موضوع سے متعلق گہری تحقیق پر مبنی ہیں ذیل میں آپ کی چند تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) سبیل الرشاد: مسلک احناف پر ایک طبقہ کی طرف سے جو شکوک وشبہات اور اعتراضات کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ان کے مفصل اور مدلل جوابات دیئے گئے ہیں اور شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، مثلاً آمین بالجہر، قراءت خلف الامام، رفع یدین اور تقلید وغیرہ سے متعلق اس میں تفصیلی بحث ہے۔

(۲) الرأی النجیح: اس رسالہ میں تراویح سے متعلق روایات کو جمع کیا گیا ہے پھر محدثانہ انداز میں روایات کے درمیان جمع وتطبیق کے ذریعہ رکعات تراویح، بیس رکعات ہونے کو واضح کیا ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ رشیدیہ میں بھی شامل ہے۔

(۳) أوثق العریٰ: یہ دراصل آپ کا ایک مفصل فتویٰ ہے جس میں دیہات میں جمعہ کی فرضیت کے سلسلہ میں بحث کی گئی ہے، آپ دیہات میں جمعہ کی عدم فرضیت کو ثابت کرتے ہیں۔

(۴) هداية الشيعة: یہ رسالہ ایک شیعی عالم کے سوالنامہ کا جواب ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلافصل ہونا، اماموں کو درجۂ نبوت تک پہونچانا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی میراث فدک وغیرہ کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۵) هداية المعتدی: اس رسالہ میں قراءت خلف الامام سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

(۶) زبدة المناسك: یہ رسالہ حج وعمرہ کے مسائل پر لکھا گیا ہے جو بڑے سائز کے ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۷) فتاویٰ رشیدیة: یہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، پہلے یہ فتاویٰ تین الگ الگ اجزاء میں تھے اب ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جن کی ضخامت پانچ سو صفحات سے زیادہ ہے زیادہ تر فتاویٰ محفل میلاد اور بدعات وغیرہ کے رد پر ہیں۔

ان کے علاوہ آپ کے شاگرد حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے درسی افادات کو قلم بند کیا تھا، چنانچہ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی کے افادات کو "**لامع الدراری**"، "**الحل المفهم**"، "**الكوكب الدری**" اور "**الفيض السمائی**" کے نام سے بعد میں شائع کر دیا گیا۔(۱)

---

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۲۰۹۔ ۲۱۵۔

مولانا مفتی عبدالوہاب ویلوری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا عبدالوہاب ویلوری رحمہ اللہ کی ولادت شہر ویلور میں یکم جمادی الاولیٰ ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۹/ اکتوبر ۱۸۳۱ء بروز شنبہ ہوئی، تقریباً چار سال کی عمر میں والد محترم جناب مولانا عبدالقادر صاحب ؒ کا آبائی وطن آتور میں انتقال ہوگیا، ابتدائی تعلیم گھر محلے میں ہی ہوئی، علوم متداولہ کی تکمیل کے لیے مدراس گئے اور وہاں مولانا قاضی ارتضا علی گوپاموی ؒ کے جانشین مولانا غلام قادر مدراسی ؒ کی خدمت میں مسلسل سات سال رہ کر علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد وطن واپس آگئے البتہ تحصیل علم کے شوق نے مکہ معظّمہ کے سفر پر مجبور کیا وہاں جا کر اکابر علما ومشائخ سے علمی وروحانی کمالات سے فیض اٹھایا۔ مکہ معظّمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ سے بعض کتب کی تکمیل کی اور فن مناظرہ پڑھا، مولانا سید محمد حسین پشاوری مہاجر مکی ؒ سے علم حدیث اور اصول حدیث کی تکمیل کی، اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی ؒ سے شرف بیعت حاصل کر کے باطنی استفادہ کیا۔ اپنے وطن ویلور واپس آنے کے بعد مولانا شاہ عبداللطیف صاحب نقوی قادری رحمہ اللہ کی ذات گرامی سے اصلاح باطن کی تربیت پا کر اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

اس کے بعد خدمت خلق، خدمت دین اور علوم شریعت کی نشر واشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا، انہی دنوں سفر حیدرآباد کے دوران جب ڈپٹی کلکٹر کا منصب پیش کیا گیا تو قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ حیدرآباد سے وطن واپسی کے بعد خدمات کا آغاز وعظ وارشاد سے کیا اور اسے امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنایا، لیکن مولانا عبدالغنی ؒ کے مشورہ سے درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ علما ومصلحین کی ایک جماعت تیار کرنے کا منصوبہ بنایا جو آگے چل کر مدرسہ باقیات صالحات کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس مدرسہ کے قیام کے پیش نظر ایسے جانباز مخلص رجال کار کی تیاری تھی جو علوم دینیہ کی نشر واشاعت کے ساتھ امت مسلمہ میں اتباع سنت اور رد بدعت پر وسیع پیمانے پر خدمات انجام دے سکیں، ۱۳۰۱ھ میں یہ ادارہ درس وتدریس کے نئے نظام کے ساتھ مدرسہ باقیات صالحات کا قالب اختیار کیا۔

۱۳۱۴ھ میں اس مدرسہ کا پہلا جلسۂ دستار فضیلت منعقد ہوا جس میں بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ؒ کو مدعو کیا گیا۔ اس مدرسہ کو جنوب میں ام المدارس کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا سید عبدالحیٔ لکھنوی ؒ نزھۃ الخواطر میں لکھتے ہیں کہ مولانا وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے معبر (تمل ناڈو) ملیبار اور جنوبی ہند کے بیشتر علاقوں میں علم دین کی نشر واشاعت کا کارنامہ انجام دیا جب کہ ان علاقوں میں اس علم شریف کے آثار ونقوش محو ہو چکے تھے۔

غرض حضرت کی ذات گرامی سے دعوت وتبلیغ، احیاء دین، تزکیہ واحسان اور رد بدعات کے جو عظیم کارنامے انجام

پائے ان کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی ایک عہد آفریں شخصیت تھی جن کے تذکرے کے بغیر جنوبی ہند کی دینی وملی تاریخ نامکمل رہے گی۔

مختصر علالت کے بعد ۲۲/ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ بروز شنبہ داعی اجل کو اس حال میں لبیک کہا کہ زبان پر اللہ اللہ کا ذکر جاری تھا اور چہرۂ انور پر سرور وتبسم کے آثار تھے۔

حضرت مولانا عبدالوہاب رحمہ اللہ کی حیات طیبہ کی طویل مدت میں ہزاروں فتاویٰ جاری ہوئے ہوں گے مگر اس کا ایک ذخیرہ مدرسہ باقیات صالحات کے رجسٹروں میں محفوظ تھا، اس کو پہلے دو نئے رجسٹروں میں بعینہٖ نقل کرایا گیا۔ فتاویٰ عام طور پر جنوب میں بولی جانے والی دکھنی اردو کے اسلوب اور محاوروں پر مرقوم تھے، مولانا محمد یعقوب صاحب مرتب فتاویٰ باقیات صالحات نے مفہوم ومراد میں ذرا بھی تغیر کئے بغیر صرف اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے

فتاویٰ کی بیشتر تعداد بانیٔ مدرسہ کے دور کے ہیں اور حضرت ہی کے قلم مبارک سے تحریر ہوئے ہیں البتہ چند فتاویٰ دور ثانی یعنی حضرت مولانا ضیاء الدین محمد صاحب کے ہیں۔(۱)

حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحئی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کی ولادت سہ شنبہ/۲۶/ذی قعدہ/۱۲۶۴ھ کو مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالحلیم لکھنویؒ کے گھر باندہ شہر میں ہوئی، ولادت کے ساتویں روز عبدالحئی نام رکھا گیا اور بالغ ہوجانے کے بعد کنیت ابوالحسنات تجویز کی گئی، پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کیا اور دسویں سال حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ اردو فارسی علوم کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کی، علم حدیث، تفسیر، فقہ واصول فقہ اور دیگر علوم کی تکمیل اپنے والد بزرگوار سے کی، البتہ علوم ریاضی کی تکمیل کے لیے اپنے والد کے ماموں اور استاذ حضرت مولانا محمد نعمت اللہ صاحب ماہر ریاضیات کی طرف رجوع کیا، مولانا موصوف فرماتے تھے کہ میں ان کا آخری شاگرد ہوں۔

مولانا نے سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم حدیث وتفسیر، فقہ واصول فقہ، ریاضی وفلسفہ وغیرہ سے فراغت حاصل کی، اور والد بزرگوار نے اجازت دے دی، والد کے علاوہ دیگر حضرات مثلاً الشیخ الجمال الحنفی المکی، السید احمد دحلان الشافعی المکی، السید محمد بن عبداللہ المدنی حنبلی نے بھی اجازت دی ہے۔

مولانا کو دوران تعلیم سے ہی تصنیف وتالیف کا ذوق وشوق تھا اور یہی وجہ تھی کہ قلیل عرصہ میں مولانا نے درسی کتابوں کی شروح وحواشی اور تعلیقات بے شمار تحریر فرمائے، جس کا اندازہ بخوبی وہی لگا سکتا ہے، جو اس میدان کا مرد ہو اور ذوق علمی رکھتا ہو اور مشغلہ درس وتدریس ہو کہ حضرت مولانا نے کس قدر جانفشانی اور محنت وکاوش سے یہ گرانقدر سرمایہ اوراق میں جمع کیا ہے اور طالبین کس قدر مستفید ہو رہے ہیں اور مولانا کی یہ خدمت کسی ایک علم کے ساتھ مخصوص

(۱) مقدمۂ فتاویٰ باقیات صالحات: ۴۔۲۲۔

نہیں بلکہ نحو وصرف، منطق، حکمت، فلسفہ، تاریخ سے آگے بڑھ کر حدیث وفقہ کی جو خدمات انجام دیں اہل علم اس کو بھلا نہ سکیں گے، حدیث میں موطاؔ امام محمد پر مشہور ومعروف حاشیہ **التعلیق الممجد** کے نام سے ہمیشہ باقی رہنے والی یادگار ہے، فقہ میں جو مولانا کا خصوصی فن تھا اور اسی میں زندگی کے بیش بہا ایام صرف کردیئے، ایسے نادر ونایاب ذخائر جمع کردیئے جنہیں کسی زمانہ میں فراموش اور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، موجودہ دور کے تمام مدارس میں مقبول اور مروجہ کتاب **شرح وقایة** کی بڑی خدمت کی، سب سے پہلے ایک مختصر حاشیہ لکھا، جو حاشیہ قدیم کے نام سے موسوم ہے، اس کے بعد مستقل طور پر مفصل ومدلل شرح تحریر فرمائی جس کو **سعایة** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور پھر ایک حاشیة **عمدة الرعاية** کے نام سے تحریر فرمایا۔ فقہ حنفی کی مسلمہ کتاب **هداية** کی بھی خدمت کی اور اس پر حاشیہ لکھا، اس کے علاوہ بہت سے رسائل حسب ضرورت مختلف موضوعات اور متفرق مسائل پر تحریر فرمائے، جن کے حوالے **شرح وقاية** کے حواشی میں ملتے ہیں، اس کے علاوہ نحو میں **خير الكلام**، صرف میں **التبيان**، مناظرہ میں **الهدية المختارة**، منطق میں رسالة **قطبية** کے حواشی الزاهد پر تعلیقات قدیمہ وجدیدہ، دیگر اہم کتابوں میں، **تاريخ ابن الخلان بأبناء علماء هندوستان، الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل، القول الجازم فى سقوط الحد بنكاح المحارم نفع المفتى والسائل بجمع متفرقات المسائل، النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، طرب الأماثل فى تراجم الأفاضل، زجر الناس على إنكار أثر ابن عباسؓ، إمام الكلام فيما يتعلق بالقراءة خلف الإمام، دافع الوسواس فى أثر ابن عباسؓ، الآيات البينات علىٰ وجوه الأنبياء فى الطبقات، الآثار المرفوعة فى الأخبار الموضوعه، الفوائد البهية فى تراجم الحنفية، أحكام القنطرة فى أحكام البسملة،** وغیرہ قابل ذکر اور قابل استفادہ ہیں، اور بہت سی تالیفات ایسی ہیں جو آج تک طبع ہی نہ ہوسکیں۔ عموماً مولانا کی تالیفات نوے کے قریب بتائی جاتی ہیں۔

مولانا موصوف کو فقہ سے خصوصی تعلق اور ذوق وشوق کے ساتھ ایک حد تک مناسبت بھی تھی جس کا اندازہ مجموعۂ فتاویٰ عبدالحئی سے بخوبی ہوسکتا ہے، جس میں جملہ احکام فقہیہ کو بہت اچھے اور مناسب انداز میں اختصار کے ساتھ مگر مدلل بیان کیا گیا ہے، اور بعض مسائل ضروریہ میں تفصیل بھی ہے، تمام مسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر مسئلہ کو پہلے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر فقہا کے اقوال وافعال اور ان کی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ (۱)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی ولادت آخر صفر المظفر ۱۲۶۹ھ مطابق دسمبر ۱۸۵۲ء میں آپ کے نانیہالی

(۱)　مقدمۂ فتاویٰ عبدالحئی: ۴، ۵۔

قصبہ نانوتہ میں ہوئی۔ آپ کا آبائی مکان اسی ضلع سہارنپور کا ایک چھوٹا سا قصبہ انبیٹھ ہے جو آٹھویں صدی ہجری سے آباد ہوا، اس بستی میں متعدد علما اور اہل کمال پیدا ہوئے۔

آپ کی تعلیم کا رسمی آغاز بزرگ عالم دین اور اپنے نانا مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ذریعہ ہوا آپ نے بہت کم عمر میں قرآن شریف ناظرہ پڑھ لیا اور اردو فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کرلی تھی، گیارہ سال کی عمر میں تعلیم کی غرض سے اپنے چچا مولانا انصار علی کے ساتھ گوالیار چلے گئے اور وہاں ان سے میزان الصرف، صرف میر اور پنج گنج وغیرہ پڑھیں آپ کے والد صاحب گوالیار ہی میں ملازم تھے لیکن کچھ دنوں بعد انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور انبیٹھ واپس ہونے لگے تو آپ بھی والد صاحب کے ساتھ گھر چلے آئے اور گھر پر ہی مولانا سخاوت علی صاحب سے کافیہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ گھر پر چوں کہ تعلیم کا انتظام زیادہ اچھا نہیں تھا اس لیے آپ نے انگریزی پڑھنے کے لیے اسکول میں داخلہ لے لیا لیکن چھ مہینہ بعد جب محرم ۱۲۸۳ھ مطابق مئی ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی، جہاں آپ کے ماموں مولانا یعقوب نانوتوی صدر مدرس تھے تو انہوں نے ۱۲۸۵ھ میں آپ کو دارالعلوم میں داخل کردیا، دارالعلوم میں شرح تہذیب وغیرہ پڑھ کر مظاہر علوم چلے گئے وہاں تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام وغیرہ پڑھنے کے بعد پھر ۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم آ کر منطق، فلسفہ، تاریخ وادب کی اعلیٰ کتابیں پڑھ کر تعلیمی سلسلہ سے فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے تکمیل علوم کے بعد مظاہر علوم میں آپ مدرس مقرر ہوئے، مگر چوں کہ آپ کو عربی ادب کا شوق تھا اور اس حوالہ سے آپ مولانا فیض الحسن ادیب سے بے حد متاثر تھے، مولانا فیض الحسن اس وقت لاہور یونیورسٹی میں مدرس تھے، چنانچہ آپ مظاہر علوم چھوڑ کر لاہور تشریف لے گئے، اور مولانا موصوف سے عربی ادب سیکھا اور مقامات حریری، دیوان متنبّی وغیرہ پڑھیں، لاہور سے واپسی کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند اپنے ماموں مولانا یعقوب صاحبؒ کے پاس پہنچے مولانا یعقوب صاحب نے آپ کے عربیت کی ذوق کو مزید فروغ دینے اور تقویت پہونچانے کے لیے عربی کی مشہور کتاب ''قاموس'' کا ترجمہ کرنے کے لیے منصوری بھیج دیا، وہاں ایک دو ماہ قیام کے بعد آپ وطن واپس آگئے اور مدرسہ عربیہ منگلور میں خدمت انجام دینے لگے۔ پھر جب مولوی جمال الدین (جو بھوپال میں مدار المہام تھے) نے مولانا یعقوب صاحبؒ کو بھوپال آنے کی دعوت دی تو انہوں نے دارالعلوم چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی جگہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو ۱۲۹۳ھ میں بھوپال بھیج دیا تاہم بھوپال آپ کے مزاج کے موافق نہیں ہوسکا اور چند ہی ماہ بعد آپ حج کے لیے چلے گئے، حج سے واپسی کے بعد مولانا یعقوب صاحبؒ نے آپ کو بھاول پور بھیج دیا، پھر ۱۲۹۷ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا اور اس حج سے واپسی کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا۔ ۱۳۰۸ھ میں حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد پر آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور بحیثیت استاد دوم (نائب مدرس اعلیٰ) آپ کا تقرر ہوا پھر حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے ۵/ جمادیٰ

الاخریٰ ۱۳۱۴ھ مطابق نومبر ۱۸۹۶ء کو آپ مظاہر علوم تشریف لے گئے اور وہاں صدر مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا اور ۱۳۲۵ھ میں آپ کو وہاں ناظم بنایا گیا پھر اواخر عمر (شوال ۱۳۴۴ھ) میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔

غرض آپ کا علمی تعلق دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور دونوں اداروں سے رہا ہے جس کی وجہ سے دونوں ادارے آپ کو اپنی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور آپ کی خدمات کو بجا طور پر اپنے ایک فاضل کی خدمت تصور کرتے ہیں کیوں کہ احادیث وفقہ کی تعلیم سے فراغت تو آپ نے مظاہر علوم سے حاصل کی تھی لیکن دارالعلوم کے قیام کی ابتدا ہی میں آپ نے دارالعلوم میں داخلہ لیا اور مختلف کتابیں پڑھیں اور مظاہر علوم سے کتب حدیث پڑھنے کے بعد پھر منطق وفلسفہ اور ادب وتاریخ وغیرہ کی کتابیں دارالعلوم دیوبند میں آکر پڑھیں، اس طرح آپ کی تعلیم کا ابتدائی ادارہ بھی دارالعلوم دیوبند ہے اور آپ کی تعلیم کی فراغت بھی دارالعلوم دیوبند ہی سے ہوئی، نیز آپ کی تدریسی زندگی کا بھی بعض حصہ دارالعلوم دیوبند میں اور بعض حصہ مظاہر علوم سہارنپور میں گذرا، اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ دونوں اداروں سے آپ کا تعلق یکساں رہا ہے اور آپ دونوں اداروں کے لیے قابل فخر سپوت کا درجہ رکھتے ہیں۔

جیسا کہ مذکور ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ متعدد علوم وفنون کے متبحر عالم تھے تاہم حدیث وفقہ سے آپ کو خاص مناسبت تھی اور یہ مناسبت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسی فقیہ النفس شخصیت کی سرپرستی اور شفقت و عنایت کی وجہ سے آپ میں پیدا ہوئی تھی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ دوران سبق طلبہ کے سامنے فقہ میں آپ کے یکتائے روزگار اور یگانۂ زمانہ ہونے کو اس طرح بیان کیا کہ دیکھو پڑھانے والے مدرس بہت ہیں مگر آج فقیہ ایک ہی شخص ہے اور علامہ نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار اس طرح ہیں:

إمام قدوة عدل أمين — ونور مستبين كالنهار
إليه المنتهىٰ حفظاً وفقهاً — وأضحىٰ في الرواية كالمدار
فقيه النفس مجتهد مطاع — وكوثر علمه بالخير جار

ماضی قریب کے مشہور عالم ومفکر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی شان تفقہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہمارے اس عہد میں جن چیدہ اور برگزیدہ علما کو اس دولت علم وحکمت دین سے بہرہ وافر ملا، جس کو حدیث میں "**من يرد الله به خيراً يفقه في الدين**" کے عمیق وجامع الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، ان میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ خاص مقام رکھتے ہیں اور اس کے حامل ومتصف کو فقیہ النفس کے لفظ سے ہماری کتابوں میں یاد کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا کی دینی وملی خدمات یوں تو بہت سے اہم عنوانات پر پھیلی ہوئی ہیں تاہم فقہ وفتاویٰ کی آپ کی خدمات کا ایک خاص مرکز قرار دیا جاسکتا ہے، فقہ وفتاویٰ کا کام آپ نے طالب علمی کے آخری دور اور زمانہ تدریس

کے ابتدائی ایام سے ہی شروع فرما دیا تھا اور آپ کے فتاویٰ پر اساتذہ کو اس قدر اعتماد اور عوام کو ایسا اطمینان ہوتا تھا کہ لوگ کثرت سے آپ کی طرف رجوع ہوتے تھے اور آپ اپنی نوعمری (۲۷ر سال کی عمر) میں ہی اہل فتاویٰ میں شمار ہونے لگے اور آپ کے گہر بار قلم سے ہزاروں مسلمانوں کے مسائل حل ہونے لگے جو مسائل سخت اور پیچیدہ ہوتے تھے اور جنہیں بڑے بڑے جید علما حل نہیں کر پاتے تھے، ایسے وقت میں وہ آپ سے رجوع کرتے تھے یا آپ کی خدمت میں وہ مسائل بھیج دیتے تھے چنانچہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ جیسے اساطین بھی آپ سے رجوع کرتے یا آپ کی خدمت میں استفتا بھیج دیتے تھے اور آپ ان سب کا بڑی باریک بینی سے تحقیقی جواب عنایت فرماتے تھے۔

سالہا سال آپ نے مدرسہ مظاہر علوم کے دارالافتاء کی نگرانی و سرپرستی فرمائی اور آپ کے دستخط و تصدیق کے بغیر کوئی فتویٰ وہاں سے جاری نہیں ہوتا تھا، آپ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ فتاویٰ خلیلیہ (فتاویٰ مظاہر علوم) کے نام سے شائع ہوا ہے جو یقیناً علم و تحقیق کی دنیا کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے۔

شوال ۱۳۴۴ھ کو آپ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، اس کے ڈیڑھ سال بعد ۱۵ر ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۲ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کو عمر کی ۷۷ بہاریں گذار کر فالج کے مرض میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے اور جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورینؓ کے قریب اور اپنے شیخ عبدالغنی المجد دی مہاجر مدنی کے بازو میں مدفون ہوئے۔

آپ کے گہر بار قلم سے بہت سارے موضوعات پر علمی و تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں جن کو اہل علم کے درمیان سند کا درجہ حاصل ہوا، ذیل میں ان کتابوں کا نام اور مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) مطرقة الكرامة علىٰ مراة الإمامة: یہ کتاب روافض کے رد میں لکھی گئی تھی جو ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے پہلی مرتبہ اس کی اشاعت ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔

(۲) المهند على المفند: آپ نے علماء مدینہ منورہ کے ستائیس سوالات کے جوابات تحریر فرمائے تھے جو ۶۴ر صفحات پر پھیلے ہوئے تھے اس کو کتابی شکل دے دی گئی اور پہلی مرتبہ ۱۳۲۵ھ میں اس کی اشاعت ہوئی۔

(۳) براهين قاطعة علىٰ ظلام انوار ساطعة: یہ کتاب رد بدعات میں لکھی گئی ہے جو ۲۷۹ صفحات پر مشتمل ہے اس کی اشاعت ۱۳۰۴ھ میں ہوئی تھی۔

(۴) إتمام النعم: یہ دراصل **تبويب الحكم** کا اردو ترجمہ ہے جو سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حکم سے ۱۳۱۳ھ میں آپ نے کیا تھا پھر مولانا عبداللہ گنگوہیؒ نے اس کی شرح و توضیح کی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا علیہ الرحمہ نے اس پر طویل مقدمہ تحریر فرمایا، اس طرح یہ کتاب ۲۶۸ صفحات میں شائع ہوئی۔

(۵) هدايات الرشيد: یہ کتاب بھی روافض کے رد میں لکھی گئی ہے جو ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوئی۔

(٦) سوال از جمیع علماء شیعہ: علمائے شیعہ سے کئے گئے متعدد سوالات کا مجموعہ ہے جو ایک کتاب کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

(٧) تنشیط الأذهان فی تحقیق محل الأذان: خطبہ جمعہ کی اذان مسجد کے اندر دی جائے یا باہر اس سلسلہ میں یہ ایک تحقیقی اور تفصیلی مقالہ ہے۔

(٨) بذل المجهود فی حل أبی داؤد: اس کتاب کو مولانا کا بڑا علمی کارنامہ قرار دیا گیا ہے، ربیع الاول ۱۳۳۵ھ سے شعبان ۱۳۴۵ھ تک دس سال کے طویل عرصہ میں آپ نے اس کام کو مکمل فرمایا، یہ کتاب پانچ جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے جس کے صفحات کی تعداد ۱۹۳۸ ہے۔

(٩) فتاویٰ خلیلیہ: آپ کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو آپ نے مظاہر علوم کے دارالافتاء سے جاری فرمائے تھے اسی لیے اس کو فتاویٰ مظاہر علوم کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اس کو مولانا سید محمد خالد نے مرتب کیا ہے۔(۱)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحبؒ:

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کا تاریخی نام ظفر الدین تھا، دیوبند ضلع سہارنپور میں ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے، والد گرامی مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ دارالعلوم کے بانیوں میں تھے، مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ (مہتمم دار العلوم دیوبند) کے آپ بڑے بھائی اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے علاتی بھائی تھے۔

قاعدہ اور ناظرہ قرآن شریف کی تعلیم اپنے گھر میں ہی والد صاحب سے حاصل کی، پھر ۱۲۸۴ھ میں جب دارالعلوم دیوبند میں درجہ حفظ قرآن شریف جاری ہوا تو ان کو دارالعلوم کے اس درجہ میں داخل کر دیا گیا اور ۱۲۸۷ھ میں قرآن مجید حفظ مکمل کر لیا، حفظ کی تکمیل کے بعد دارالعلوم ہی میں درس نظامی کی مکمل تعلیم حاصل کی اور ۱۲۹۵ھ میں بخاری شریف، مسلم شریف وغیرہ کا امتحان دے کر دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، تاہم ۱۲۹۷ھ تک دارالعلوم ہی میں تعلیم وتعلم کا مزید سلسلہ جاری رکھا اور تمام علوم عربیہ کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۲۹۹ھ میں کچھ عرصہ دارالعلوم ہی میں معین المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمت انجام دیتے رہے اس دوران مولانا یعقوب صاحبؒ کی نگرانی میں فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دی، پھر ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ (میرٹھ) مدرس بنا کر بھیج دیئے گئے، وہاں انہوں نے کئی سال تک تدریسی خدمت انجام دی، ۱۳۰۹ھ میں اکابر دارالعلوم نے نائب مہتمم کی حیثیت سے نام پیش کیا اور دارالعلوم آ گئے پھر ایک سال بعد یہاں مفتی اور مدرس مقرر کئے گئے۔

افتا کا کام فراغت کے بعد دارالعلوم میں معین مدرس کے زمانہ سے ہی شروع کر دیا تھا، اس وقت افتا کا کام حضرت

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۲۱۶-۲۲۶۔

مولانا یعقوب صاحبؒ (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کی نگرانی میں کیا کرتے تھے، پھر جب ۱۳۰۹ھ میں نائب مہتمم کی حیثیت سے دارالعلوم لائے گئے، اس وقت آپ تدریس اور انتظامی امور کے ساتھ افتا کی خدمت بھی انجام دیتے تھے اور بالآخر جب ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مستقل دارالافتاء قائم کرنے کی تجویز منظور ہوئی تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے وہ تمام جوہر جو ایک ذمہ دار مفتی میں درکار ہیں آپ کے اندر دیکھ کر دارالافتاء کا صدر مفتی نامزد کیا تو آپ نے نیابت اہتمام کا انتظامی کام چھوڑ کر مستقل فتاویٰ نویسی کی خدمت شروع کر دی، اس کے بعد تو فتاویٰ نویسی زندگی کا ایک اہم حصہ بن گیا اور موت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے تقریباً چالیس سال دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں خدمت انجام دی، اس عرصہ میں بڑے بڑے پیچیدہ اور مشکل سوالات کے جواب قلمبند فرمائے، سیکڑوں فتاویٰ ایسے بھی تحریر فرمائے جو نہ صرف فتویٰ بلکہ معرکۃ الآراء مبہمات میں محاکمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، سفر میں بھی دارالافتاء کی ڈاک آپ کے ساتھ رہتی تھی اور مراجعت کتب کے بغیر اپنی خداداد ذہانت اور بے پناہ صلاحیت کی وجہ سے بے تکلف فتاویٰ لکھاتے رہتے تھے، تاریخ دارالعلوم میں آپ کی شان تفقہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''یوں تو فتاویٰ ہر زمانہ میں لکھے گئے ہیں مگر فتاویٰ نویسی کا جو کمال حضرت مفتی صاحبؒ کو حاصل تھا یہ کمال جماعت دیوبند میں صرف تین ہی شخصیتوں کے حصہ میں آیا تھا ایک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، دوسرے حضرت مفتی صاحبؒ اور تیسرے حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ''۔(۱)

۱۳۴۷ھ میں مفتی صاحبؒ چند ماہ کے لئے جامعہ ڈابھیل بخاری کا درس مکمل کرنے تشریف لے گئے تھے جمادیٰ الاخریٰ میں وہاں سے واپس دیوبند تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں طبیعت خراب ہوگئی، اسی علالت میں ۱۷/ جمادیٰ الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کی شب میں انتقال ہوا دوسرے دن جنازہ ہوا، نماز جنازہ مولانا اصغر حسین صاحبؒ نے پڑھائی اور مزار قاسمی دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔

فتاویٰ نویسی کے اس مہتم بالشان کام اور دارالعلوم کے بعض ذمہ داریوں کی وجہ سے مستقل تصنیف وتالیف کا وقت نہیں مل سکا، تاہم آپ کے علمی سرمایہ میں گہر بار قلم سے لکھے گئے وہ بیش قیمت فتاویٰ ہیں جو دارالعلوم کے دارالافتاء سے جاری فرمائے، ان میں سے ۱۸-۱۹/ سال (۱۳۱۰ھ سے ۱۳۲۷ھ تک) کے فتاویٰ تو بالکل محفوظ نہیں رہ سکے اور ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۲ھ تک کے بعض ہی فتاویٰ کی نقل محفوظ کی جاسکی، ۱۳۳۳ھ کے بعد سے فتاویٰ کی نقل رکھنے کا باضابطہ اہتمام کیا گیا، چنانچہ ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۴ھ تک لکھے گئے فتاویٰ کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور عزیز الفتاویٰ کے نام سے مرتب کیا تھا جو پہلے آٹھ جلدوں میں تھی، اب سات سو چون (۷۵۴) صفحات پر مشتمل ایک ضخیم جلد میں ''فتاویٰ دارالعلوم یعنی عزیز الفتاویٰ'' کے نام سے طبع شدہ ہے

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۴۷۔

اوراس کی دوسری جلد میں خود مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتاویٰ ہیں جس کو ''فتاویٰ دارالعلوم یعنی امداد المفتیین'' کا نام دیا گیا ہے۔(۱)

مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کے کل چودہ ضخیم رجسٹروں میں سے مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے صرف دو رجسٹروں کو مرتب فرمایا تھا بارہ رجسٹر باقی تھے، ان کے باقی فتاویٰ کو مفتی ظفیر الدین مفتاحی علیہ الرحمہ نے بارہ ضخیم جلدوں میں مرتب فرمایا اور ہر مسئلہ کا حوالہ اور عربی کتابوں کی عبارت بھی نقل کردی ہے جس کی وجہ سے ان فتاویٰ کے استناد واعتماد میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ان بیش قیمت فتووں کے علاوہ تفسیر جلالین کا اردو ترجمہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے رسالہ میزان البلاغہ کا حاشیہ بھی علمی سرمایوں میں ہے۔(۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی پیدائش ۵؍ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہارشنبہ کو صبح کے وقت ہوئی پیدائشی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یوپی) ہے، تاریخی نام کرم عظیم اور والد کا نام شیخ عبدالحق تھا، سلسلۂ نسب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم تھانہ بھون میں ہوئی۔۱۲۹۵ھ میں جب عمر ۱۵؍سال کی تھی، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، وہاں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ جیسے اکابر اور اساطین امت سے استفادہ کا موقع ملا، دارالعلوم دیوبند میں پانچ سال قیام کیا، اس دوران علوم عقلیہ ونقلیہ کی مختلف کتابیں پڑھنے کے ساتھ مولانا یعقوب صاحبؒ سے فتاویٰ نویسی کی بھی تربیت حاصل کی۔ ۱۳۰۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔فراغت کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور تشریف لے گئے، پھر کچھ عرصہ بعد وہیں مدرسہ جامع العلوم میں ۱۳۱۵ھ تک خدمت انجام دی، درس وتدریس اور افتا کے علاوہ اصلاحی کام بھی خوب کیا، شہر کانپور بدعات وخرافات کا گڑھ بنا ہوا تھا، مسلسل اور مخلصانہ جدوجہد سے اس میں بڑی حد تک کمی آئی۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنے دور کے مجدد تھے، ٹھیک چودہویں صدی کے آغاز میں دینی واصلاحی خدمات کی شروعات کی اور پوری زندگی اسی میں لگے رہے اور دین کے تمام پہلوؤں سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی۔وہ محدث، فقیہ، مفسر، واعظ، مصنف اور صوفی تھے۔مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، اعلاء السنن کے مقدمہ میں مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ کے سب سے کثیر التصانیف اور ہمہ جہت لکھنے والے مصنف تھے، تقریباً ایک ہزار چھوٹی بڑی مطبوعات چھوڑی ہیں۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت گنگوہیؒ

(۱) عزیز الفتاویٰ: ۱؍۵۔

(۲) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۲۲۷۔۲۳۱۔

کے توسط سے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بذریعہ مراسلت ۱۲۹۹ھ میں غائبانہ بیعت ہو گئے تھے، پھر ۱۳۰۱ھ کے اواخر میں حج سے فارغ ہو کر حاجی صاحب کی خدمت میں چند دنوں قیام فرمایا۔ پھر دوبارہ ۱۳۰۷ھ میں حج کیا اور ایک مدت تک حاجی صاحب کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا، پھر واپس آ کر کانپور ہی میں رہے، لیکن صفر ۱۳۱۵ھ میں حاجی صاحب کے مشورہ سے تھانہ بھون چلے آئے اور یہیں ''پیر محمد والی مسجد'' میں قیام فرمایا اور اخیر تک وہیں رہے، جہاں سے متعدد تصنیفی خدمات انجام دیں، یہ مسجد بیک وقت مدرسہ، دارالمصنفین، دارالمبلغین، خانقاہ اور انگریزوں کے خلاف جہاد کی تربیت گاہ تھی۔

۱۳۲۰ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن بنایا گیا اور حضرت شیخ الہند کی وفات کے چند سالوں بعد دارالعلوم کا سرپرست منتخب کیا گیا۔

حضرت حکیم الامتؒ کی خدمات یوں تو ہمہ جہت ہیں لیکن فقہ اور تصوف میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، چنانچہ فقہ میں مہارت کی بنا پر طالب علمی کے زمانہ سے ہی حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کی رہنمائی میں فتاویٰ نویسی شروع کر دی تھی، پھر جب کانپور تشریف لے گئے تو وہاں بھی نمایاں طور پر افتا کی خدمت انجام دی اور آخر میں جب قیام تھانہ بھون میں تھا تو یہاں بھی کثرت سے استفاءات کے جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے، اس کے علاوہ فقہ میں گرانقدر تصانیف بھی ہیں۔ فقہ وفتاویٰ میں آپ کے کام کا جو طریقہ تھا اس کا مختصراً ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) فقہی مسائل میں نصوص سے اعتناء علماء دیوبند کی خصوصیت رہی ہے چنانچہ آپ میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، یہاں تک کہ نص قرآنی کے احکام کے استنباط کے سلسلہ میں باضابطہ **دلائل القرآن علی مسائل النعمان** اور نص حدیث سے مسائل کے استنباط کے تعلق سے **إعلاء السنن** لکھنے کا مستقل ارادہ فرمایا تھا جس کو شاگردوں نے مکمل کیا۔

(۲) فقہا کی جزئیات سے عموماً نہیں ہٹتے تھے اور فقہ وفتاویٰ میں اجتہادی شان رکھنے کے باوجود اپنی انفرادی رائے اختیار کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

(۳) جس مسئلہ میں صریح جزئیہ نہ ملے وہاں اصول وقواعد کی روشنی میں جواب تو لکھ دیتے تھے مگر تنبیہ ضرور کر دیتے تھے کہ یہ جواب اس بنیاد پر ہے کہ صریح جزئیہ نہیں ملا، اس لیے دوسرے سے بھی مراجعت کر لی جائے اور اختلاف ہو تو مطلع کیا جائے۔

(۴) آلات جدیدہ اور معاملات جدیدہ میں ابتلاء عام اور یسر وسہولت کے پہلو کو ہمیشہ سامنے رکھتے تھے تاکہ لوگ شریعت سے متنفر ہو کر حرام میں نہ پڑ جائیں۔

(۵) یسر وسہولت اور ابتلاء عام پر نظر رکھتے ہوئے بسا اوقات مذہب کی ضعیف سے ضعیف روایت کو اختیار کر لیتے تھے۔

(۶) اگر مذہب میں یسر وسہولت کی گنجائش نہ ہوتو دوسرے ائمہ متبوعین کے مذاہب سے بھی استفادہ کرتے تھےاوراس کوعدول عن الدین إلی الدین قرار دیتے تھے چنانچہ الحیلۃالناجزۃ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

(۷) پیچیدہ مسائل میں ہمیشہ علماء عصر سے رجوع کرتے تھے،شروع میں حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ سے، پھر حضرت گنگوہیؒ سے رجوع ہوتے رہےاور حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد اپنے شاگردوں سے بھی مشورہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔

(۸) حاضرین اور علما کوبھی بار بار تاکید کرتے تھے کہ میرے کسی فتویٰ اور تحقیق سے کسی کو اختلاف ہوتواس پر ضرور متنبہ کیا جائے اور متنبہ کئے جانے پر اپنی رائے سے رجوع کر لیتے تو اس کو خانقاہ سے نکلنے والے ماہنامہ ''النور'' میں شائع بھی کر دیتے تھےاوراس کے لیےایک مستقل عنوان ''ترجیح الراجح'' کا ہوا کرتا تھا،جس کو بعد میں مجموعۂ فتاویٰ میں ''تصحیح امدادالفتاویٰ'' اور ''اصلاح تسامح'' کے عنوان سے شامل کیا گیا تھا، یہ بھی فرماتے تھے کہ بندہ نے آئندہ کے لیےایک کافی جماعت اہل علم ودیانت کی اس کام کے لیے مخصوص کردی ہے کہ میری تمام تحریرات کو نظر تنقید سے دیکھ لیا جائے جوان کی رائے میں قابل اشاعت نہ ہوان کو حذف کر دیں یا نشان بنادیں تاکہ ان کو کوئی شائع نہ کردے۔

(۹) نئے مسائل میں امت کی رہنمائی کے لیے باضابطہ ''حوادث الفتاویٰ'' کے عنوان سے مسائل لکھے جو مجموعۂ فتاویٰ میں شامل ہیں۔

(۱۰) ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اپنی ذات وعمل سے متعلق کوئی مسئلہ پیش آتا تواحتیاط کی وجہ سے اپنے فتویٰ پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں دوسرے ارباب افتا سےفتویٰ لے کر عمل کرتے تھے اگر چہ وہ دوسرے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

فقہ وفتاویٰ اور تصوف وسلوک کا یہ روشن چراغ ۸۲ر سال ۳ر ماہ ۱۰ر روز، روشن رہ کر ۱۶ر رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ر جولائی ۱۹۴۳ء دس بجے شب اپنی روشنی کا سفر دوسروں کے حوالہ کر کے ہمیشہ کے لئے جوار رحمت میں چلا گیا،نماز جنازہ آپ کے بھانجے اور اعلاء السنن کے مؤلف مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے پڑھائی، وفات سے قبل ایک زمین لے لی تھی اوراس کوقبرستان خاص بنا کر وقف کر دیا گیا تھا، جس میں راہ گزاروں کے پانی کا ایک کنواں، چھوٹا سا سائبان اور ایک چھوٹا سا احاطہ بنا دیا گیا تھا جس میں کچھ درخت بھی لگا دیئے گئے تھے،اسی احاطہ میں دوسرے اعزہ اور خدام کے ساتھ آسودہ خواب ہیں۔

مختلف اسلامی موضوعات پر تقریباً ایک ہزار تصانیف چھوڑی ہیں اور ہر تصنیف اپنے اندر جو علمی گہرائی وگیرائی اور وسعت رکھتی ہےاس کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے ذیل میں چند تصانیف کا ذکر کیا جا تا ہے۔

(۱) بیان القرآن: اردو زبان میں یہ مختصر مگر جامع ترین تفسیر ہےاس میں بہت سی تفسیروں کا لب لباب اور خلاصہ

پیش کیا گیا ہے، آیات کی تشریح کے علاوہ نحوی بحث، بلاغت کی باریکیاں، فقہی مسائل، کلام کی بحث اور تصوف وسلوک پر مختصر نوٹ لکھا گیا ہے یہ تفسیر اس وقت دو ضخیم جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔

(۲) جمال القرآن: یہ فن تجوید میں اعلیٰ معیار کی کتاب کہلاتی ہے۔

(۳) التقصیر فی التفسیر: حضرت حکیم الامت کی نظر میں کچھ ایسی تفسیریں آئیں جن کے مشمولات اصول تفسیر سے ہٹے ہوئے تھے جس کی وجہ سے آپ نے یہ کتاب لکھی جس میں صحیح اصول تفسیر کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کو نہ برتنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) جامع الآثار (عربی): فقہ حنفی پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے کہ اس میں صرف قیاس ہی قیاس ہے، نصوص سے اس کا بہت کم تعلق ہے، اس اعتراض کو غلط ثابت کرنے کے لیے حضرت تھانویؒ نے پہلے ''إحیاء السنن'' کے نام سے فقہ حنفی کے متدلات کو جمع فرمایا مگر طباعت سے پہلے ہی وہ ضائع ہو گیا پھر دوبارہ اس کام کو تھوڑا نہج بدل کر کیا کہ احادیث کی سند کی حیثیت اور وجہ استدلال بھی بیان کی اور اس کا نام ''جامع الآثار'' رکھا، نیز جو احادیث فقہ حنفی کی متدلات سے بظاہر متعارض معلوم ہو رہی تھیں ان کو حاشیہ میں نقل کر کے ان کا جواب بھی لکھا اور اس کو ''تابع الآثار'' کا نام دیا، اسی سلسلہ کو وسعت دیتے ہوئے اپنے شاگرد مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ سے ''إعلاء السنن'' لکھوائی جو ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۵) التشرف بمعرفة أحادیث التصوف (عربی): تصوف کے سلسلہ میں بڑی افراط وتفریط پائی جاتی تھی بعض لوگ اس کو بالکل لغو سمجھ کر مسترد کر دے رہے تھے جب کہ بعض لوگوں نے اس میں غلط چیزوں کی بھی آمیزش کر دی تھی، اس سلسلہ میں آپ نے تجدیدی خدمت انجام دی اور مثبت انداز میں تصوف کا صحیح اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا اور عملاً اس کو برتا بھی، یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں صحیح تصوف کو احادیث رسول سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۶) الأکسیر فی إثبات التقدیر۔

(۷) حفظ الإیمان: یہ کتاب بدعات اور عقائد باطلہ کے رد میں لکھی گئی ہے۔

(۸) الانتباهات المفیدة فی الاشتباهات الجدیدة۔

فقہ میں آپ کی کتابیں تین درجن کے قریب ہیں ان میں چند درج ذیل ہیں:

(۹) امداد الفتاویٰ: یہ آپ کے بیش قیمت فتاویٰ کا مجموعہ ہے اولاً ۱۳۲۵ھ تک کے فتاویٰ جمع کئے گئے تھے، جن میں دارالعلوم دیوبند، جامع العلوم کانپور اور تھانہ بھون تینوں زمانہ کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا تھا، ۱۳۲۵ھ کے بعد کے فتاویٰ ''تتمۂ امداد الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوتے رہے مگر وفات کے بعد ۱۳۷۱ھ میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مولانا ظہور احمد صاحب کے تعاون سے نئی ترتیب وتبویب کے ساتھ اسے چھ جلدوں میں مرتب کیا، یہ فتاویٰ اپنی گہرائی و گیرائی کی وجہ سے ہند و پاک اور بنگلہ دیش بلکہ عالم اسلام کے تمام اردو داں علما کے لئے مرجع و ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۱۰) التحقيق الفريد فی حكم آلة تقريب الصوت البعيد۔

(۱۱) تفصيل الكلام فی حكم تقبيل الأقدام۔

(۱۲) كشف الدجیٰ عن وجه الربا: دولت آصفیہ حیدر آباد کے محکمہ شرعیہ سے سود کی حقیقت اور اس کے دنیاوی واخروی مفاسد کے سلسلہ میں آپ کے پاس سوالات آئے تھے یہ رسالہ انہیں سوالات کا تحقیقی و تفصیلی جواب ہے۔

(۱۳) تحذير الإخوان عن الربا فی هندوستان۔

(۱۴) رفع الضنك عن منافع البنك۔

(۱۵) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة: مفقود الخبر شخص کی بیوی کے بارے میں فقہ حنفی کے اندر احتیاط کی وجہ سے فی زمانہ بہت سختی اور دشواری معلوم ہوتی تھی جس کی وجہ سے بعض عورتیں اسلام ترک کر دینے اور دوسرا مذہب اختیار کرنے پر مجبور ہو رہی تھیں اور پنجاب کے بعض علاقوں سے اس قسم کے واقعات کی خبریں بھی آچکی تھیں جس کی وجہ سے آپ نے فقہ حنفی کے مناسب جزئیات کے ساتھ فقہ مالکی کو بنیاد بنا کر ایسی عورتوں کے لیے یسر و سہولت کا پہلو اختیار کیا۔

(۱۶) خلاصة الكلام فی أذان الجمعة بين يدى الإمام۔

(۱۷) القول البديع فی اشتراط المصر للتجميع۔

تصوف و سلوک اور دیگر موضوعات پر آپ کی چند کتابیں یہ ہیں۔

(۱۸) مسائل السلوك من كلام الملوك: اس میں تصوف و سلوک کے بہت سے مسائل کو قرآنی آیات سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ ''بیان القرآن'' کے حاشیہ پر چھپا ہے۔

(۱۹) التكشف عن مهمات التصوف۔

(۲۰) قصد السبيل إلى المولى الجليل۔

(۲۱) إصلاح الرسوم: اس کتاب میں آپ نے معاشرہ میں پائی جانے والی بہت سی رسموں کا ذکر کر کے اس سلسلہ میں شریعت کا حکم بیان کیا ہے، اسی طرح کی ایک کتاب ''اغلاط العوام'' کے نام سے بھی لکھی ہے۔

(۲۲) آداب المعاشرة۔

(۲۳) إصلاح انقلاب الامة: اس کتاب میں عبادات، معاملات، احوال شخصیہ، احوال اجتماعیہ وغیرہ کو جمع کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں امت اور مصلح امت علما کی کمیوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے نیز اپنی زندگی اور معاشرہ میں صحیح اسلامی انقلاب کے راستہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

(۲۴) نشر الطيب فی ذكر النبی الحبيب: سیرت کے موضوع پر دریائے عشق و محبت میں ڈوب کر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔(۱)

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۲۳۲۔۲۴۳۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی ولادت محلّہ ''سن زئی''، ضلع شاہجہاں پور، یوپی میں ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں ہوئی، ۱۹۰۳ء کے بعد دہلی منتقل ہوگئے اور مستقل وہیں سکونت اختیار کرلی۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن مالوف کے مشہور مدرسہ اعزازیہ میں حافظ بدھن خاں اور مولانا عبدالحق خاں صاحب سے حاصل کی پھر مدرسہ قاسم العلوم شاہی مرادآباد تشریف لے گئے، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے وطن مالوف گئے تو اس وقت ابتدائی استاذ مولانا عبدالحق خان مدرسہ اعزازیہ سے الگ ہوکر عین العلم کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کرچکے تھے چنانچہ استاذ نے اسی مدرسہ میں رکھ لیا اور تقریباً پانچ چھ سال وہاں تدریسی خدمت انجام دی، دارالعلوم دیوبند میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا امین الدین اورنگ آبادیؒ ہم درس اور مشہور ساتھیوں میں تھے، جن میں مولانا امین الدین نے دہلی میں مدرسہ امینیہ قائم کرلیا تھا اور ان کا برابر اصرار تھا کہ مدرسہ امینیہ تشریف لے آئیں، چنانچہ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے آئے اور یہاں صدر مدرس ومفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دینے لگے، رفتہ رفتہ بانی مدرسہ نے اپنی ذمہ داریاں کم کرلیں اور اعتماد کرکے ذمہ داریاں آپ کے سپرد کرتے رہے، پھر بانی مدرسہ مولانا امین الدین صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۲۰ء میں مدرسہ کے مکمل ذمہ دار بن گئے اور اخیر عمر تک اسی ادارہ میں تدریس وافتا کی خدمت انجام دیتے رہے، تدریس اور افتا کی زندگی نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔

آپ محدث، مفسر، فقیہ، محقق، مصنف، عربی، اردو، فارسی کے بہترین شاعر اور سیاسیات میں خاص ذوق وبصیرت کے مالک تھے، آپ کا دور انتہائی پرآشوب دور تھا، اس لیے اپنے کو مسند درس اور منصب افتا میں محدود کرنے کے بجائے مختلف دینی وملی خدمات میں مشغول کیا، خاص کر سیاسیات اور افتا میں آپ کی خدمت ناقابل فراموش ہے، چنانچہ مولانا ظہور علی (بھوپال) لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۲ء تک کوئی سیاسی اور مذہبی تحریک ایسی نہیں ہے جس میں حضرت مفتی صاحب کی رہبری پوری صداقت وصفائی کے ساتھ نظر نہ آئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۹ء سے بھی پہلے آپ کی سیاسی سرگرمی شروع ہوگئی تھی چنانچہ آپ زمانۂ طالب علمی ہی میں ''جمعیۃ الانصار دیوبند'' کے رکن اور معاون تھے اسی طرح ۱۹۱۷ء میں ''انجمن اعانت نظر بندان اسلام'' قائم ہوئی تو آپ اس کے داعیوں اور بانیوں میں تھے، ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ، خلافت کمیٹی اور تحریک خلافت میں بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، نیز پہلی جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد جب برٹش گورنمنٹ نے جشن فتح منانے کا فیصلہ کیا اور اہل ہند کو

دھوکہ دینے کے لیے اسے جشن صلح کے نام سے ہندوستان میں منانا چاہا تو اس کے خلاف ''انجمن اشاعت اختلاف جشن صلح'' قائم ہوئی، جس کے پس منظر میں سب سے بڑی کارگذار شخصیت آپ ہی کی تھی اس کے علاوہ سیاسیات پر آپ کے مختلف فتاویٰ اور مضامین مختلف اخبارات میں چھپتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں جب ''جمعیۃ علماء'' قائم ہوئی تو آپ کی انہیں سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی بصیرت کے پیش نظر اس موقر تنظیم کا پہلا صدر منتخب کیا گیا اور ۱۹۳۹ء میں اس منصب سے علاحدگی کے باوجود آپ جمعیۃ سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے بلکہ برابر جمعیت کے سرگرم رکن رہے اور اکابر نے ذمہ داران جمعیت کو خاص تلقین کی تھی کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کو کبھی بھی جمعیت سے علاحدہ ہونے نہ دیا جائے اور اس کی وجہ اعلیٰ سیاسی بصیرت تھی، چنانچہ آپ کے استاذ گرامی شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ بیشک تم لوگ سیاستداں ہو لیکن مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے۔

سیاست کے علاوہ فرق باطلہ کے رد میں بھی آپ کی نمایاں خدمت رہی ہے، چنانچہ قادیانیت کے رد میں باضابطہ ''البرھان'' نامی رسالہ جاری کیا جس کے ایڈیٹر بھی آپ ہی تھے اور مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کے لیے ''جمعیۃ علماء ہند'' میں ایک نیا شعبہ ''شعبۂ تبلیغ'' بھی قائم کیا جس کے مبلغین کو مختلف دیہاتوں میں بھیجا کرتے تھے۔

مختلف علوم وفنون کے ساتھ فقہ وفتاویٰ میں آپ کو خاص امتیاز حاصل تھا اور مختلف دینی وملی سرگرمیوں کے ساتھ خدمت افتا مشغلہ رہا، حتیٰ کہ سیاسیات میں بھی فقہ وفتاویٰ کی لائن سے بڑی خدمات انجام دیں چنانچہ فتاویٰ کے مجموعے میں سیاسیات کا ایک مستقل باب موجود ہے۔

آپ کے ہم عصر اور اکابر علما کو بھی آپ کی شان تفقہ کا اعتراف اور فتاویٰ پر اعتماد تھا چنانچہ جب ترک موالات کا فتویٰ لکھنا تھا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے جن دو تلامذہ پر اعتماد کیا تھا ان میں پہلا نام آپ ہی کا تھا اور ترک موالات پر مفصل فتویٰ تحریر کیا، اسی طرح علی گڑھ کے طلبہ کی طرف سے جب استفتا آیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا جواب آپ ہی سے لکھوایا تھا جس پر شیخ الہندؒ نے صرف نظر ثانی فرمائی تھی اور دستخط کرکے بھیج دیا تھا۔

عام فقہی مسائل میں فتویٰ لکھنا کسی قدر آسان ہوتا ہے کہ اس کی عبارتیں بھی فقہ کی کتابوں میں مل جاتی ہیں اور اس کا اثر بھی کسی کی ذاتی زندگی یا حلقہ تک محدود ہوتا ہے، لیکن آپ کا دور انتہائی پرآشوب اور ہنگاموں کا دور تھا، آپ کے پاس زیادہ تر ملکی اور سیاسی معاملات میں استفتاءات آتے تھے جس کا جواب لکھنے کے لئے اصل معاملات کو سمجھنے کے ساتھ علم میں گہرائی اور مختلف علوم وفنون میں مہارت درکار ہوتی ہے، الحمد للہ آپ نے اس فریضہ کو بڑے حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا چنانچہ ملک کے نامور عالم اور آپ کے شاگرد مولانا سعید احمد اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ کافی غور وخوض اور تفکر وتدبر کے بعد کسی نتیجے پر پہنچتے تھے اور اس تفکر کے وقت مسئلہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا تھا جو ان کی توجہ سے اوجھل رہ گیا ہو اور پھر ان کا فیصلہ ایسا اٹل اور مستحکم ہوتا تھا کہ اس کو بدلوا دینا ممکن نہ تھا۔

آپ کے فتاویٰ کی مقبولیت نہ صرف ہندوستان میں تھی، بلکہ جاوا، سماترا، برما، ملایا، چین، بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشاں، ختن، تاشقند، ترکستان، افغانستان، ایران، افریقہ، امریکہ اور انگلستان وغیرہ سے بھی سوالات آتے تھے اور آپ کے جوابات لوگوں کے لیے سرمۂ چشم اور سنگ میل ثابت ہوتے تھے۔

آپ کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ جواب بہت مختصر لکھتے تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ ایجاز واختصار کے بادشاہ تھے، آپ کا جواب جتنا مختصر ہوتا تھا اتنا ہی پر مغز بھی ہوتا تھا اور اختصار کے باوجود مسئلہ کا کوئی پہلو آپ سے چھوٹتا نہیں تھا البتہ لمبی لمبی فقہی عبارت نقل کرنے کے عادی نہیں تھے۔

آپ کے فتاویٰ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کا جواب مستفتی کے سوال سے مربوط ہونے کے باوجود مستقل حیثیت رکھتا تھا یعنی جواب سمجھنے کے لیے مستفتی کے سوال کو پڑھنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ مستفتی کے سوال کو حذف کر دیا جائے یا کوئی شخص عدم فرصتی کی وجہ سے سوال نہ پڑھ سکے تو بھی اس کے سامنے مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے گا۔

آپ کے فتاویٰ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ ہمیشہ دوٹوک فتاویٰ لکھتے تھے چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں دول متحدہ کو فتح حاصل ہوئی اور ترکی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو برطانیہ اور اس کے مقبوضات ونوآبادیات میں جشن فتح منانے کا فیصلہ کیا گیا تاہم اہل ہند کے بارے میں انگریزوں کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ترکی کے حامی اور خلافت تحریک کے مؤید ہیں اور ترکی کی شکست کی وجہ سے جشن فتح میں شریک نہیں ہوسکیں گے اس لیے باشندگان ہند کو فریب دینے کے لیے ہندوستان میں اس جشن کو جشن صلح کے نام سے منانے کا فیصلہ کیا گیا لیکن اس وقت کے بیدار مغز علما اور حریت پسند افراد نے اس کی مخالفت کی، اس موقع سے آپ نے اس جشن کے خلاف ایک انجمن بھی قائم کی اور اس کے خلاف بیانات بھی دیئے، اسی موقع سے خلافت کمیٹی کے سکریٹری جناب آصف علی نے آپ سے ایک فتویٰ طلب کیا اور پھر آپ کے جواب کی توثیق وتائید میں پنجاب، سندھ، یوپی، بہار وغیرہ کے بہت سے علما نے بھی دستخط فرمائے، فتویٰ کی دوٹوک عبارت یہ ہے:

''بہ حالت موجودہ مسلمان تاوقتیکہ معاملات کا صحیح فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے ان کے جذبات کے موافق نہ ہو جائے، جشن صلح یا فتح کی خوشی اور مسرت میں شریک ہونا قطعاً ناجائز ہے''۔

فتاویٰ نویسی کی ابتدا ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء سے ہوئی اور آخری عمر تک ۵۴ سال اپنے کو اس مشغلہ میں لگائے رکھا اور امت کی شرعی رہنمائی فرماتے رہے حتیٰ کہ قید وبند کے زمانہ میں بھی یہ مشغلہ نہیں چھوٹا۔

۳۱ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء اور یکم جنوری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب ساڑھے دس بجے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے احاطہ کے قریب جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔

مختلف تحریکوں اور تنظیموں سے وابستگی اور امت کے امور میں مشغولیت نے آپ کے گہربار قلم کو روک سا دیا تھا اس

لیے آپ کی تصنیف زیادہ نہیں ملتی، تاہم اس کثرت اشتغال کے باوجود جو علمی و قلمی سرمایہ چھوڑا وہ درج ذیل ہے:

(۱) کفایت المفتی (۹ر جلدیں): سب سے بڑا قلمی سرمایہ آپ کے گہر بار قلم سے لکھے گئے آپ کے فتاوے کا مجموعہ ہے جس کو آپ کے فرزند اکبر مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے مرتب کیا، اس کی کل ۹ر جلدیں ہیں، لیکن چونکہ ہمیشہ آپ کے فتاویٰ کی نقل محفوظ نہیں کی جاسکتی، اس لیے تمام فتاویٰ اس مجموعہ میں نہیں آسکے، یہاں تک کہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ فتاویٰ نویسی کی پچپن سالہ زندگی میں سے زیادہ پچیس سال کے فتاویٰ ہی کو جمع کیا جاسکا ہے، ورنہ ۹ر جلدوں کے بجائے ۱۹ر جلدیں ہوسکتی تھیں چنانچہ خود مرتب فتاویٰ لکھتے ہیں:

''۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء سے فتویٰ لکھنا شروع کیا اور ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں دہلی تشریف لائے لیکن مدرسہ امینیہ میں نقول فتاویٰ کا سب سے پہلا رجسٹر ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء سے شروع ہوتا ہے یعنی چھتیس (۳۶) برس فتویٰ لکھنے کے بعد نقول فتاویٰ کا انتظام ہوا مگر یہ انتظام بھی ناکافی وناقص تھا....... مدرسہ کے رجسٹر میں آخری فتویٰ ۱۹۴۴ء کا ہے اس کے بعد آپ کی وفات تک آٹھ برس کے زمانہ میں صرف پچیس فتاویٰ درج ہوئے.... اندراج فتاویٰ کے لیے کوئی مستقل محرر کبھی نہیں رکھا......۔

مدرسہ امینیہ کے ساتھ جمعیۃ علما کے دارالافتاء کے بھی صدر مفتی تھے اور ''سہ روزہ الجمعیۃ'' میں ''حوادث واحکام'' کے عنوان سے فتاویٰ شائع ہوتے تھے مگر الجمعیۃ کا ریکارڈ بھی مفتی اعظم کے تمام فقہی ذخیرہ کا حامل نہیں بن سکا''۔

(۲) تعلیم الاسلام (۴ر حصے): کم عمر بچے اور بچیوں کے نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ایمان وعقائد اور ارکان و اعمال کو آسان اور عام بول چال کی زبان میں پیش کیا گیا ہے یہ کتاب لوگوں میں بڑی مقبول ہے اور ہندوپاک کے بیشتر مدارس میں اور بنگلہ دیش وافریقہ کے بعض مدارس میں داخل نصاب ہے۔

(۳) **كف المؤمنات عن حضور الجماعات**: یہ رسالہ عورتوں کے لیے مجالس وعظ میں شرکت اور جمعہ و عیدین کے اجتماعات میں حاضری کے جواز وعدم جواز کے متعلق ۱۹۱۶ء میں لکھا تھا۔

(۴) **صلوٰة الصالحات**: رسالہ ''**كف المؤمنات**''...... پر مولوی عبدالستار کلانوری نے عبید احمدی کے نام سے تنقید لکھی تھی اسی کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا۔

(۵) **النفائس المرغوبة فى حكم الدعاء بعد المكتوبة**: یہ فرض نمازوں کے بعد دعا کے سلسلہ میں تحقیقی رسالہ ہے جو مشاہیر علما کی تصدیق کے ساتھ جون ۱۹۱۶ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔

(۶) **الصحائف المرفوعة فى جواب اللطائف المطبوعة**: رسالہ ''**النفائس المرغوبة**'' پر ایک صاحب نے ''**اللطائف المطبوعة**'' کے نام تنقید لکھی تھی اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا تھا۔

(۷،۸) **دليل الخيرات فى ترك المنكرات وخير الصلوة فى حكم الدعاء للأموات**: رنگون

سے آپ کے پاس استفتا آیا تھا جس میں میت کی تدفین سے قبل اور بعد خاص طریقہ سے دعا کے اہتمام کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا، آپ نے وہاں کے عوام کے لیے پہلے ایک رسالہ ''**دلیل الخیرات فی ترک المنکرات**'' کے نام سے رسوم و بدعات کے رد میں لکھا تھا، پھر استفتا کا تفصیلی جواب ''**خیر الصلوٰۃ فی حکم الدعاء للأموات**'' کے نام سے تحریر فرمایا، حاجی داؤد ہاشم یوسف اور مولانا قاضی الدین (رنگون) نے اطراف ملک سے مزید ایک سو چونتیس علما سے اس سلسلہ میں فتویٰ لے کر دونوں رسالوں کو ایک ہی جگہ شائع کر دیا۔

(۹) **البیان الکافی**: یہ رسالہ رؤیت ہلال سے متعلق مسائل پر لکھا گیا ہے۔

(۱۰) قنوت نازلہ اور اس سے متعلق مسائل: یہ رسالہ ۱۹۲۰ء میں پہلی بار شائع ہوا۔

(۱۱) اصول اسلام: یہ رسالہ ''جواہر الایمان'' کے نام سے بھی شائع ہوا ہے اس میں اسلامی عقائد اور عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسائل کے علاوہ عصری زندگی میں پیش آنے والے بھی بعض مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۲) **إتمام المقال فی بعض أحکام التمثال**: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک استفتا کے جواب میں نعل نبوی کے تبرک کے جواز پر ایک رسالہ ''**نیل الشفاء بنعل المصطفی**'' کے نام سے لکھ کر چھپوایا تھا، جس میں نعل کی ایک مصنوعی شکل بھی چھاپ دی گئی تھی، مفتی صاحب کے پاس جب کسی نے یہ رسالہ پیش کیا اور اس سلسلہ میں استفسار کیا تو آپ نے تفصیلی جواب لکھا کہ یہ تو محض تصویر بلکہ فرضی نقش ہے اس سے تبرک کیوں کر حاصل کیا جا سکتا ہے؟ پھر یہ جواب حضرت تھانوی کی خدمت میں بھیجا تو حضرت تھانویؒ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرما لیا اور پھر حضرت تھانویؒ ہی کے مشورہ سے دونوں رسالہ کو ''**إتمام المقال فی بعض أحکام التمثال**'' کے نام سے شائع کرا دیا گیا۔

مذکورہ فقہی رسالوں میں سے بیشتر رسالوں کو مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے ''کفایۃ المفتی'' میں شامل کر دیا ہے۔

ان کے علاوہ سیاسیات اور دوسرے موضوع پر رسالے درج ذیل ہیں:

(۱۳) مسلمانوں کے مذہبی اور قومی اغراض کی حفاظت: ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا جس میں مسلم اکثریتی صوبہ میں مسلمانوں کی سیٹیں کم کر دی گئیں اور جہاں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں مسلم سیٹیں بڑھا دی گئیں اور جناح صاحب کا نظریہ، یہ تھا کہ سرمایہ دار کو مزید سرمایہ دار بنانے کا کیا فائدہ؟ یعنی جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں سیٹیں بڑھانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ حالاں کہ اس معاہدہ سے جہاں مسلم اکثریت میں تھے وہاں اقلیت میں ہو گئے اور جہاں اقلیت میں تھے وہاں سیٹیں بڑھا کر بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، اس وقت آپ نے مثبت انداز اور مہذب اسلوب میں جو تنقید کی تھی اسے رسالہ کی شکل میں ''مسلمانوں کے مذہبی اور قومی اغراض کی حفاظت'' کے نام سے شائع فرمایا تھا۔

(۱۴) شیخ الہند۔ مختصر سوانح و حالات اسیری: یہ رسالہ ''انجمن اعانت نظر بندان اسلام'' کے تحت شائع ہوا

تھا، اسے مفتی صاحبؒ نے ہی مرتب کیا تھا مگر اس پر اپنا نام نہیں لکھا تھا۔

(۱۵) اردو کا قاعدہ: یہ قاعدہ تعلیم الاسلام سے پہلے بچوں کے لیے لکھا گیا تھا یہ متعدد لسانی خوبیوں کا جامع ہے۔

(۱۶) روض الریاحین: آپ نے عربی میں مدرسہ امینیہ کے قیام کا پس منظر، تاریخ، حالات وغیرہ پر ایک لمبا قصیدہ لکھا تھا اور ایک لمبا قصیدہ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ کی شان میں لکھا تھا، اس قصیدہ کا آغاز غزل کے انداز میں ہوتا ہے، پھر ماضی کی راحت، محبوب کے وصال، پھر محبوب کے اعراض و بے رخی، ملامت گر کی ملامت اور اپنے اوپر ہلاکت کے خطرہ کا ذکر کرتے ہیں کہ اچانک آسمان سے آواز آتی ہے کہ جا اور مرشد روحانی کی خدمت میں حاضر ہو جا، اور اس کے بعد آپ دیو بند حاضری اور تعلیم و تعلم اور حضرت شیخ کے فضائل ومناقب کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں، آپ کے اس کلام میں زبان و بیان کی تمام خوبیاں موجود ہیں، ''روض الریاحین'' آپ کے ان ہی قصیدوں کا مجموعہ ہے۔(۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۹رشوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء کو بانگرمئو ضلع اناؤ، یوپی میں ہوئی، سلسلۂ نسب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے، والد سید حبیب اللہ مرحوم شروع میں صفی پورہ میں ہیڈ ماسٹر رہ چکے تھے پھر بانگرمئو تبدیل کر دیئے گئے، جب حضرت مولانا رحمہ اللہ تین سال کے تھے تو والد کی تبدیلی ٹانڈہ میں ہوگئی، ابتدائی تعلیم کی شروعات الہ داد پور، ٹانڈہ ضلع فیض آباد، یوپی سے ہوئی، جب شعور آیا تو گھر میں والدہ محترمہ سے قاعدہ بغدادی اور سیپارہ شروع کی، ساتھ ہی والد صاحب کے ساتھ اسکول بھی جانا شروع کیا، آٹھ برس تک اس طرح وطن میں قیام رہا، اس دوران پانچویں سیپارہ تک والدہ محترمہ سے اور پانچ سے اخیر تک والد محترم سے ناظرہ پڑھا، اسکول میں درجہ دوم تک پڑھنا ہوا، اس وقت اسکول میں فنون اور کتب زیادہ تھے، جب عمر کا تیرھواں سال شروع ہوا تو بھائی سید احمد مرحوم دیو بند چلے گئے، بڑے بھائی حضرت مولانا سید صدیق صاحب مرحوم پہلے سے دیو بند میں آخری کتابیں پڑھ رہے تھے، اوائل صفر سن ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۱۶ھ تک درس نظامی کی تعلیم دار العلوم دیو بند میں مکمل کی، جس میں آپ کے خاص استادوں میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیو بندی رحمہ اللہ کا نام ہے۔ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے دستور المبتدی، زرادی، زنجانی، مراح الارواح، قال اقول، مرقات، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی تصدیقات، قطبی تصورات، میر قطبی، مفید الطالبین، نفحۃ الیمن، مطول، ہدایہ آخرین، ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد، تفسیر بیضاوی، نخبۃ الفکر، شرح عقائد نسفی، حاشیہ خیالی، موطا امام مالک اور موطا امام محمد پڑھیں۔

(۱) فضلاء دیو بند کی فقہی خدمات: ۲۴۹-۲۶۳۔

۱۳۱۶ھ میں والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور مکہ معظّمہ پہنچ کر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے اکتساب فیض کیا، جب کہ ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو چکے تھے۔ ۱۳۱۷ھ سے ۱۳۳۳ھ تک آپ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تدریسی سلسلہ جاری رکھا، البتہ درمیان میں تین مرتبہ ہندوستان کا سفر فرمایا، جس میں متفرق اوقات میں تقریباً ۴ سال مدینہ منورہ کا تدریسی سلسلہ منقطع رہا۔

۱۳۱۹ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے اجازت بیعت وخلافت لی، ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ گرفتار ہوئے اور مالٹا کی جیل میں نظر بند کئے گئے، ۱۳۳۸ھ میں وہاں سے رہا ہوکر ہندوستان واپس تشریف لائے، مالٹا سے واپسی کے بعد آپ نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا اور حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ۱۳۳۹ھ کے بعد آزادیٔ ہند تک ملک کی قیادت وسیادت کی ذمہ داری انجام دی اور بے مثال قربانیاں پیش کیں۔

۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سرپرست دار العلوم دیوبند کے مشورہ سے دار العلوم دیوبند کے منصب صدارت تدریس پر فائز ہوئے اور تاحیات اس مقدس مقام سے اپنے فیوض وبرکات سے امت کو مستفیض فرماتے رہے، اس دوران کل تین ہزار آٹھ سو چھپن طلبہ نے آپ سے حدیث شریف کا درس لیا۔

۱۹۴۰ء مطابق ۱۳۶۰ھ سے وفات تک مسلمانوں کی مؤقر جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' کے صدر رہے۔ ہندوستان کے طول وعرض سے ہزاروں انسانوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرکے اپنی عاقبت سنواری، جن میں سے ۱۶۶ر حضرات کو آپ نے خلافت سے مشرف فرمایا۔ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہونے کے باوجود لوگ آپ سے خطوط کے ذریعہ فتویٰ پوچھا کرتے تھے اور آپ ان کا جواب دیا کرتے تھے۔

۱۳ر جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۷۷ھ بمطابق ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعرات کی صبح بیمار ہونے کے باوجود تقریباً نو یا دس بجے اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں تشریف لائے، آپ کی تشریف آوری سے مسرت وشادمانی کی لہر پھیل گئی، تھوڑی دیر کے بعد کمرہ میں واپس آگئے اور کمرہ خالی کرایا گیا، سب لوگ اس خیال سے باہر آگئے کہ کچھ دیر نیند آجائے، اس کے آدھ یا ایک گھنٹے کے بعد کوئی لڑکا کمرے میں داخل ہوا، حضرت آرام فرمارہے تھے، اس نے خوشی میں غور سے دیکھا تو پیشانی اس طرح پھڑک رہی تھی جیسے آنکھیں پھڑکتی ہیں یا گوشت کا کوئی ٹکڑا خود بخود مرتعش ہوتا ہے، خیال بھی نہ گذرا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات ہوسکتی ہے اور باہر آگیا، اس کے ایک آدھ گھنٹہ کے بعد گھر کے لوگ نماز کے لیے بیدار کرنے کی غرض سے اندر گئے، پکارا، جگایا اور آخر میں ہلایا، مگر کوئی جواب، کوئی حرکت، نہ دیکھی، تو لوگ سراسیمہ اور بدحواس ہوکر دوڑے، بھاگے، ڈاکٹروں کو بلایا، معاینہ کے بعد اعلان کیا گیا کہ آپ کا وصال ہوگیا ہے۔

بالآخر ۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵؍دسمبر ۱۹۵۷ء کو علم وعمل اور زہد وتقویٰ سے مزین شیخ العرب والعجم، امام العصر، محدث دوراں، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیسا آفتاب ہمیشہ ہمیش کے لیے غروب ہوگیا، مغرب یا عشا کے بعد حضرت مولانا عبدالاحد صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، مولانا راشد حسن نبیرہ شیخ الہند رحمہ اللہ نے غسل دیا، جنازہ کی نماز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے پڑھائی، جنازہ کو زیریں دارالحدیث میں عام زیارت کے لیے رکھ دیا گیا، تین ساڑھے تین گھنٹہ تک لائن بنا کر نظم وضبط کے ساتھ زیارت ہوئی، آخر رات کو دو بجے کے قریب قبرستان کے لئے روانہ کیا گیا اور قبرستان قاسمی میں اپنے محبوب استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے پہلو میں محوخواب ہیں۔(۱)

حضرت مولانا قاضی نورالحسن پھلواروی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا قاضی نورالحسن پھلوارویؒ ایک جید عالم دین، صاحب تقویٰ وطہارت بزرگ اور انتہائی تجربہ کار قاضی تھے، آپ ایک علمی خانوادے کے فرد فرید تھے، آپ کی ولادت ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء پھلواری شریف میں والد ماجد کی وفات کے صرف دو ماہ بعد ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا حکیم محمد مخدوم محی الدینؒ اپنے وقت کے ممتاز علما میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور عالم جوانی میں ہی مالک حقیقی سے جا ملے۔(اناللہ وانا الیہ راجعون)

مولانا نورالحسن پھلوارویؒ نے چونکہ دینی وعلمی خانوادے میں آنکھیں کھولیں اس لیے اس کا تقاضہ تھا کہ وہ دینی تعلیم حاصل کر کے رموز شریعت اور اسرار شریعت میں ملکہ حاصل کریں، چنانچہ آپ نے تعلیم پھلواری شریف میں حضرت مولانا عبدالوہابؒ سے حاصل کی، آپ نے اپنے نانا محترم مولانا شاہ محمد وحید الحق منعمیؒ جو سلسلہ منعمیہ کے مشہور بزرگ تھے شروع سے ہی ان کی تربیت ونگرانی میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھا، بالآخر مولانا وحید الحق منعمیؒ سے سلسلہ منعمیہ کی اجازت و خلافت حاصل کی۔ درس حدیث وتعلیم قرآن آپ کی زندگی کا سب سے محبوب ترین مشغلہ تھا، اور ہر جمعہ کو قرآن کا درس دیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں حدیث شریف کے درس کا آخری زندگی تک معمول رہا، اسی کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل پر مکمل عبور حاصل تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کو ''دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ'' کا سب سے پہلا قاضی شریعت مقرر کیا گیا، مزاج میں چونکہ احتیاط بہت زیادہ تھا اس لیے اختلافی مسائل میں بہت محتاط رہتے تھے۔

زندگی کے آخری لمحات تک آپ نے اپنی خداداد قابلیت، معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ سے پوری طرح صداقت و حقانیت پر عمل پیرا ہو کر دارالقضاء کا اعتماد قائم کیا۔ آپ کے نزدیک مذاہب وادیان کا کوئی فرق نہیں تھا، مسلم اور غیر مسلم سب آپ سے فیصلہ کراتے تھے، ہر ایک آپ کے فیصلہ کو مانتا اور آپ کے فیصلہ کو حرف آخر سمجھتا تھا، چنانچہ بہار واڑیسہ کے علاوہ پنجاب سے بھی بہت سے مقدمات فیصلے کے لیے آئے اور آپ نے فیصلہ کیا، جس کو سبھوں نے قبول وتسلیم کیا

(۱) تلخیص: سوانح حضرت مدنی رحمہ اللہ۔

،آپ کے فیصلہ پر کسی کو کبھی بھی کوئی اعتراض اور شکایت کا موقع نہ ملتا اور کیوں کر اس کا موقع ملتا جب کہ آپ کا ہر فیصلہ احکام الٰہی اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہوا کرتا تھا، آپ کا تقریباً ۳۵ سالہ عظیم الشان علمی کام جو مقدمات کے فیصلے ہیں وہ آج بھی دار القضاء میں محفوظ ہے، ''قضایا امارت شرعیہ'' کی پہلی جلد میں ان کے فیصلوں کو شامل کیا گیا ہے۔

آپ کی عاجزی وانکساری، سلیم الفطرت اور نیک طینتی کی وجہ سے ہر شخص آپ کا مداح تھا، آپ کے ہم عصر بھی آپ کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، آپ کی مجلس ہمیشہ فواحش ومنکرات، لغویات وخرافات سے پاک رہتی تھی، آپ ہمیشہ ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہا کرتے تھے، خشیت الٰہی اور فکر عقبیٰ ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی۔

آپ کی وفات حسرت آیات کا حادثہ ۳؍رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ مطابق اپریل ۱۹۵۶ء بمقام پھلواری شریف پیش آیا، آپ آبائی قبرستان ہی میں مدفون ہوئے۔(۱)

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوریؒ:

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری رحمہ اللہ کی ولادت ۳؍ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۱۸۸۳ء بروز جمعرات، لاجپور ضلع سورت، گجرات میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں مدرسہ اسلامیہ میں حاصل کی، سات سال کی عمر میں اردو اسکول لاجپور میں داخلہ لیا، اردو اور گجراتی کی تعلیم اسکول میں پانچ سال تک حاصل کی، فارسی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا احمد میاں لاجپوریؒ سے عربی تعلیم کی ابتدا کی، سن ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۱۸ھ تک چار سال میں صرف، نحو، فقہ، اصول فقہ، حدیث میں مشکوٰۃ اور منطق میں صغریٰ سے لے کر شرح مہذب تک کی کتابیں پڑھ لیں۔ سن ۱۳۱۹ھ کے اوائل میں مدرسہ جامع العلوم، کانپور میں داخلہ لیا اور ایک سال قیام فرمایا، شعبان ۱۳۲۰ھ میں کانپور سے دہلی واپس آگئے، شوال میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، حضرت شیخ الہندؒ نے شرح جامی، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، شرح وقایہ، اور نور الانوار کا امتحان لیا، جلالین حضرت مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ سے پڑھی، مختصر المعانی حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ سے، مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ سے اور ملاحسن، میبذی اور مقامات حریری مختلف اساتذہ سے پڑھی، لیکن خرابی صحت کی وجہ سے دیوبند کو چھوڑ کر دہلی کے مدرسہ عبد الرب میں داخلہ لیا، بخاری شریف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد حضرت مولانا عبد العلی میرٹھیؒ سے پڑھی، اور ۱۳۲۳ھ میں سند فراغت حاصل کی، ۱۳۲۴ھ میں علامہ حسین بن محسن الیمانی سے علم حدیث کے سلسلہ میں استفادہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحبؒ کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا، ان میں ایک خصوصیت تفقہ فی الدین بھی تھی، دینی علوم میں دستگاہ کے ساتھ ساتھ فقہ وفتویٰ پر آپ کی گہری نگاہ تھی، یوں تو فتویٰ نویسی کی مشق جامع العلوم کانپور میں طالب علمی کے زمانہ سے ہوگئی تھی البتہ باقاعدہ افتا کی خدمت کا موقع ۱۳۶۱ھ سے مدرسہ تعلیم الدین معلمیہ رنگون، برما

(۱) مقدمہ فتاویٰ امارت شرعیہ جلد دوم: ۳۶، ۳۷۔

میں ملا، اور تدریس کے ساتھ افتا کی خدمت آپ کے ذمہ رہی، مدرسہ معلمیہ میں دارالافتاء کا ایک شعبہ قائم ہو چکا تھا، مگر پورے ملک کی حالات کے پیش نظر ایک مستقل دارالافتاء کی ضرورت تھی، اس ضرورت کا احساس حضرت مولانا ابراہیم صاحب راندیریؒ کو ہوا، چنانچہ انہوں نے ۱۹۱۸ء میں سورتی جامع مسجد میں دارالافتاء قائم فرمایا، اس میں مختلف حضرات نے افتا کی خدمت انجام دی، ۱۹۳۶ء میں مفتی مرغوب احمد لاجپوریؒ باقاعدہ دارالافتاء کے صدر مفتی بنائے گئے اور مفتی اعظم برما کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے، ۱۹۴۱ء کی جنگ جاپان تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

علوم ظاہری سے فراغت کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت مولانا نعیم صاحب لکھنوی فرنگی محلیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا اعظم حسین صدیقی مہاجر مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور دو ماہ مستقل قیام رہا، موصوف کی وفات کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت شاہ غلام محمد مجددیؒ سے جو سلسلہ نقشبندیہ کے ایک عارف اور اہل دل بزرگ تھے، رجوع فرمایا۔

آپ نے چند مفید تصنیفات چھوڑیں:

(۱) سادات کے مناقب وفضائل میں۔ ''**سفينة النجات فی ذكر مناقب السادات**''۔

(۲) عقائد میں۔ ''توحید الاسلام''۔

(۳) بچوں کے لیے فقہ شافعی میں ''تعلیم الاسلام'' کے طرز پر ''ارکان اربعہ''۔

(۴) حدیث میں ''**جمع الأربعين فی تعليم الدين**''۔

حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً ۷۷ رسال کی تھی کہ ۲۹ ر دسمبر ۱۹۵۷ء مطابق ۱۳۷۷ھ کو فالج کا حملہ ہوا اور یہ مرض مرض الوفات ثابت ہوا۔(۱)

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمۃ:

مفکر اسلام، عالم ربانی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمۃ بہار شریف کے قریب موضع پنہسہ میں ماہ صفر ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے، والد ماجد جناب مولوی حسین بخش گاؤں کے رئیس اور ذمہ دار تھے اور نہایت متقی اور پرہیز گار شخص تھے، مگر ابھی مولانا کی عمر چار ہی سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ابتدائی تعلیم گھر ہی میں پائی، آگے کی تعلیم کے لیے بہار شریف، کانپور، دیوبند اور پھر الہ آباد کا سفر کیا آخری تعلیم اور حدیث سے فراغت مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے ۱۹۰۵ء میں ہوئی، وہاں سے آنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تدریس کی خدمت انجام دی، پھر اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالکافی صاحب علیہ الرحمۃ کی دعوت پر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تک تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دی، پھر وہاں سے واپس آئے اور صوبہ بہار کے شہر گیا میں مدرسہ انوار العلوم قائم کیا اور وہاں تدریس کی خدمت انجام دی۔

(۱) مقدمہ مرغوب الفتاویٰ جلد اول: ۱۸۹۔۲۲۷۔

تدریس کے ساتھ مسلمانوں کی دیگر دینی وملی خدمت کے کام میں بھی مشغول رہے، جنگ آزادی کی تحریک میں بھی حصہ لیا، اور ۱۹۱۷ء میں ''انجمن علماء بہار'' قائم کیا، اس کے بعد ۱۹۱۹ء میں ''جمعیۃ علماء ہند'' کی تاسیس میں قائدانہ کردار ادا کیا اور ۱۹۲۱ء میں اکابر علما اور عمائدین کے ساتھ ''امارت شرعیہ'' قائم کیا، آپ نے قومی وملی خدمت کے لیے پوری زندگی کو وقف کر دیا تھا، علما کے صف میں بڑا بلند پایہ مرتبہ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی علیہ الرحمۃ نے تحریر کیا ہے کہ میں ان کو دور حاضر میں کم از کم علما کے طبقہ میں اسلامی سیاست کا اعلیٰ ماہر سمجھتا ہوں، وہ ہندوستان کے سیاسی مسائل میں ماہر تھے، اسلام اور مسلمانوں کی ضروریات پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ جہاں ایک دردمند قائد، زمانہ شناس مفکر، ملت کے غم میں گھلنے والے اور ہر مسلمان کی چوٹ کو اپنے دل پر محسوس کرنے والے بےنفس اور سراپا ایثار شخصیت کے حامل تھے، وہیں عمیق علم، وسیع مطالعہ اور فہم رسا کے مالک بھی تھے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے صاحب علم ان کو ''فقیہ النفس'' کہا کرتے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد اور بڑے بڑے اکابر اہل علم تجاویز کی ترتیب میں مولانا کی لیاقت کے معترف تھے اور انہی پر تکیہ کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمہ اللہ کو گو اپنی دوسری خدمات، فتنۂ ارتداد کا مقابلہ، مسلمانوں کی اعانت اور ان کے تحفظ کی سعی، امت میں اجتماعیت پیدا کرنے کی کوشش اور اپنے عہد کے سیاسی حالات میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے کی جانے والی تدابیر وغیرہ کی وجہ سے افتا وقضا، تصنیف وتالیف اور علمی وتحقیقی کاموں کے لئے یکسو ہونے کا موقع میسر نہیں آیا، لیکن اس کے باوجود اس سلسلہ میں جو کچھ تھوڑا بہت موقع حضرت کو مل سکا اور اس میں سے جو کچھ علمی آثر ہمارے لئے باقی رہ گئے ہیں، وہ ہمارے لئے خضر طریق کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان ہی علمی آثر میں ایک یہ فتاویٰ ہیں جو فتاویٰ کے ریکارڈ میں محفوظ تھے اور اب طبع کئے جارہے ہیں۔ شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں، جب میں امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے حکم پر امارت شرعیہ میں حاضر ہوا تو مجھے تین بیش قیمت خزانے بہت فرسودہ حالت میں ملے، ایک تو فائلوں کا وہ ڈھیر جس میں بزرگوں نے مختلف ملی اجتماعی امور پر احکام لکھے تھے، دوسرے دار القضاء سے فیصل ہونے والے مقدمات کی نقلیں اور تیسرے فتاویٰ امارت شرعیہ کا عظیم الشان ذخیرہ۔(۱)

حضرت مولانا کو تحریر وتحقیق کا بھی عمدہ ذوق تھا، ان کے اہم علمی وفقہی اور اصلاحی مضامین اور خطبات وقتاً فوقتاً

(۱) فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول۔

جریدہ امارت ہفت روزہ نقیب، الجمعیت ، اور دوسرے رسائل وجرائد میں شائع ہوتے تھے، آپ کے فتاویٰ وقضایا کے علاوہ دیگر کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قضایا سجاد
(۲) خطبۂ صدارت
(۳) مقالات سجاد
(۴) حکومت الٰہی
(۵) مکاتب سجاد
(۶) امارت شرعیہ شبہات وجوابات
(۷) قانونی مسودے

۱۷رشوال المکرّم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸رنومبر ۱۹۴۰ء بروز شنبہ بمقام پھلواری شریف پٹنہ میں آپ کی شمع حیات بجھ گئی اوراس روز دس بجے رات میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کے مزار میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد عباس پھلواروی رحمہ اللہ:

بہار کے مشہور اصحاب طریقت ووجاہت میں ایک بزرگ تھے جن کا نام عطاء اللہ تھا اور شیر شاہ سوری کے ایوان میں کسی بڑے عہدہ پر فائز تھے، ان کا خاندان پٹنہ سے ۸رکیلومیٹر مغرب کی طرف ایک بستی میں آباد ہوا جو پہلے کسی راجہ کی پھلواری تھی، جب یہ خاندان یہاں آکر آباد ہوا اوراس میں بڑے بڑے شیوخ طریقت پیدا ہوئے تو مریدوں اور معتقدوں نے اس کے نام کے ساتھ ''شریف'' بڑھادیا اوراس کا پورا نام ''پھلواری شریف'' قرار پایا، جس کو اس وقت کے انگریز کمشنر نے منظور کرلیا اور ڈاکخانہ وتھانہ بعد میں ریلوے اسٹیشن ہر جگہ اسی نام کو منظور کرلیا گیا۔اس خاندان میں بہت سے بزرگ پیدا ہوئے جن میں شاہ محمد مجیب اللہ قادری بہت نامور ہوئے، جن کا لقب تاج العارفین ہے، ان کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ نعمت اللہ قادری تھے۔جن کے وقت میں ان کے والد کی قیام گاہ کو خانقاہ ''مجیبیہ'' کہا گیا۔ان کی سات اولاد تھی، بڑے صاحبزادے شاہ ابوالحسن فرد تھے، اور سجادگی ان کے خاندان میں بڑے بیٹے کو ملتی رہی، ان کے ایک صاحبزادہ اور صاحب سجادہ شاہ علی حبیب نصر تھے، جن کا عین جوانی میں انتقال ہوگیا، ان کے بڑے لڑکے شاہ عبدالحق سجادہ نشیں ہوئے، ان کی عملی وروحانی تربیت حضرت شاہ بدرالدین قادری قدس سرہ نے کی، جو ان کے بہنوئی بھی تھے اوران کے والد کے ''اجل خلفاء'' میں تھے، دوسال کے بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا، تو ان کے

(۱) ہمارے امیر، شائع کردہ امارت شرعیہ۔

چھوٹے بھائی شاہ عین الحق گدی پر بٹھائے گئے، مگر ان کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی، خاندان کے بزرگ شاہ علی نعمتؒ نے ان کو تعلیم دی اور وہ خود چونکہ اہل حدیث ہو گئے تھے اس لئے ان کے شاگرد نے بھی یہی مسلک اختیار کیا اور خانقاہیت اور سجادگی سے دستبردار ہو گئے۔(۱) اہل خاندان نے اس موقع پر جمع ہو کر حضرت شاہ بدرالدین بن شاہ شرف الدین کو گدی پر بٹھایا، جو امیر عطاء اللہ کی اولاد نرینہ میں تھے، حضرت شاہ علی حبیب نصر کے بہت محبوب، داماد اور خلیفہ تھے۔

امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کا نام مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے پیش کیا مگر وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے انہوں نے اپنے بجائے حضرت شاہ بدرالدین قدس سرہ کو امیر بنانے کی تجویز پیش کی، دونوں بزرگ صاحب نسبت اور ہزاروں مریدوں کے شیخ تھے، حضرت شاہ بدرالدینؒ کی وفات کے بعد بالاتفاق ان کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ محی الدین رحمہ اللہ کو امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اپنے آپ کو نائب ہی باقی رکھا، حالانکہ وہ امارت شرعیہ کے بانی تھے۔ مولانا مفتی محمد عباسؒ ”تاج العارفین“ شاہ مجیب اللہ رحمہ اللہ کی اولاد نرینہ میں پانچویں پشت میں تھے، ان کے دادا کے والد یعنی پردادا مولانا محمد امام تھے، جو حضرت شاہ ابوالحسن فرد کے سنجھلے بھائی تھے اور اپنے ماحول میں سنجھلے مولوی صاحب کہے جاتے تھے، مولانا کے جد امجد نور احمد صاحبؒ تک ان کا گھرانہ خوش حال تھا، نذرات وفتوحات کے علاوہ جائداد بھی تھی، اور خود عدالت پٹنہ میں محرر کبیر ہو گئے تھے جو اس زمانہ میں بہت بڑا عہدہ تھا، مگر ان کے بعد یہ سب سلسلہ یکسر بند ہو گیا، ان کے فرزند یعنی مولانا محمد انس نابینا ہو گئے تھے، فقر وتوکل علی اللہ پر زندگی گذار رہے تھے، ان کے شیخ حضرت شاہ علی حبیب نصر ان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

مولانا محمد عباسؒ نے فارسی اپنے والد سے پڑھی اور استعداد بہت بڑھالی، پھر خانقاہ کے مدرسہ میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے شرح جامی، شرح وقایہ، قطبی، میر قطبی اور حضرت شاہ محی الدین قدس سرہ سے کنز الدقائق، ہدایہ اولین و آخرین پڑھی، مولانا نذیر الحق سے صحاح کے اسباق لیے اور نوعمری سے محرری شروع کی۔ لوگوں کے خطوط لکھنا اور قبالوں کی نقل کرنا ان کا پیشہ ہوا، اس سے پیسہ بچا کر زمین میں گاڑ دیتے اور جب دو یا تین روپیہ ہو جاتے تو تفسیر وحدیث کی کتابیں دہلی سے منگایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں جو لوگ وکالت کرتے تھے ان کے لیے فقہ پڑھنا ضروری تھا، چنانچہ پٹنہ سیٹی کے ایک رئیس مولوی عبدالحفیظ کے یہاں ان کے لڑکے مولوی سید حسین وکیل کی اتالیقی اور تدریس پر مامور ہوئے، مگر پٹنہ سیٹی سے پھلواری اس زمانہ میں دس میل تھا، آنا جانا مشکل تھا اس لیے امارت شرعیہ میں محرر کی نوکری کو ترجیح دیا، بہت قلیل تنخواہ پر گذر کرتے تھے، فقر وافلاس کا دور دورہ تھا مگر کبھی نہ کسی قسم کی مدد لی اور نہ قرض لیا اور ایک پیسہ کے امرود یا دو پیسہ کے شکرقند وسوتھنی پر دن کاٹ لیتے تھے، برسات میں جب گھر کا چھپر گر گیا تو خانقاہ کے وقف باغ سے ”جو ان کے دادا کا وقف کردہ تھا“ پانچ عدد بانس بھی طلب نہیں کیا، اور جب خود پیسہ جمع کر لیا تو بازار سے بانس خرید کر اپنے

(۱) اعیان وطن مصنفہ مولانا حکیم محمد شعیب میں یہ تفصیل درج ہے۔

بھائی مولوی وارث محی الدین کے ساتھ مل کر خود چھپر چھایا۔ بعض اعزہ نے مالی تعاون پیش کی مگر قبول نہیں کیا، حضرت شاہ محی الدین قادری قدس سرہ ان کے استاذ اور رشتہ کے بڑے بھائی تھے، ان کی خواہش کے باوجود کوئی مدد نہیں لی، ان کی خالہ نعیمہ بی بی "اغور گاؤں، پھلواری سے متصل ایک گاؤں جس کو دانا پور بھی کہتے ہیں" کا انتقال ہوا تو ان کی بیٹی نے آٹھ ہزار چاندی کے روپیوں کی تھیلی دی اور یہ کہا کہ یہ تم لے لو اور وارثوں کو خبر نہ دو۔ مگر انہوں نے پوری رقم ان کے ورثہ کو پیدل جا کر پہونچا دیا۔

ان کو اجازت وخلافت اپنے والد سے اور والد کو دادا سے۔ شاہ مجیب اللہ تاج العارفین تک مسلسل جملہ سلاسل کی تھی اور یہ سلسلہ ایک دوسرے ذریعہ سے بھی ملا مگر سوائے ایک شخص کے جو موضع "سہار" مولانا کی سسرال میں جاں بہ لب تھے، کسی کو مرید نہیں کیا جس نے اس کی خواہش کی ان کو اپنے شیخ کی طرف متوجہ کیا، خاندان کے سب لوگ اپنے نام کے آگے قادری لکھا کرتے تھے مگر انہوں نے ہمیشہ اپنا نام محمد عباس غفرلہ لکھا۔ تعلیم اچھی اور کامل ہوئی تھی، کچھ دن شمس الہدیٰ مدرسہ میں ہدایہ اور بخاری کا درس بھی دیا، مگر کوئی سند نہ تھی اس لیے باقاعدہ مدرس دوسرے صاحب بنائے گئے۔

امارت شرعیہ میں آٹھ سال تک محرر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، رزق حلال کا اس درجہ داعیہ ان کے اندر تھا کہ بخار کی شدت اور بواسیر کی تکلیف میں بھی کبھی چھٹی نہیں لی، صبح نو بجے سے چار بجے تک کام کرتے تھے، آٹھ سال ملازمت کے بعد ان کے ذمہ فتاویٰ نویسی کا کام سپرد ہوا، کتابوں کی مراجعت، عبارت کی نقل اور اس کا ترجمہ سب خود کرتے تھے، مگر ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ پر دستخط اس وقت کے ناظم مولانا محمد عثمان غنیؒ کیا کرتے تھے، جب حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اپنی آنکھوں سے یہ بات دیکھی تو باقاعدہ تحریر سے اطلاع دی کہ جو فتاویٰ لکھے وہی دستخط کرے، اس وقت سے اخیر دم تک مفتی امارت شرعیہ کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ ان کے مختصر بیانی اور استحضار علمی کی تحسین مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ نے کی، جو مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ سے ملنے آیا کرتے تھے۔

طریقۂ تدریس بہت آسان اختیار کرتے تھے، اور اکثر مثالیں اردو میں دے کر طلبہ کو مفہوم سمجھا دیتے پھر مصنف کی اصل عبارت سے تطبیق کراتے، وہ اپنے استاد ومرشد حضرت شاہ محی الدینؒ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے بہت معتقد تھے، مولانا قاضی نور الحسنؒ قاضی امارت شرعیہ سے انہوں نے مناسخہ نویسی میں رجوع کیا تھا۔

ان کا انتقال ۱۸؍محرم ۱۳۶۲ھ میں ہوا، اس وقت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ امارت شرعیہ کے ناظم اول بنائے جا چکے تھے (پھر بعد میں نائب امیر شریعت بنائے گئے)

مرحوم کے ایام خدمت میں مولانا محمد عثمان غنیؒ ناظم تھے، پھر مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ناظم ہوئے، انہوں نے نقیب میں جو تعزیتی نوٹ لکھا تھا، وہ ان کی شرافت اور علومرتبت کی دلیل ہے۔(۱)

---

(۱) فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲؍۴۳ تا ۴۶۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی ایک متبحر عالم دین، بے مثال فقیہ، بلند پایہ محقق، کثیر التصانیف مصنف اور روحانی کمالات کے حامل تھے، وہ اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، سادگی وبے نفسی اور عاجزی وخاکساری میں علماء سلف کی زندہ یادگار تھے، وہ قطب عالم حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ کے ساختہ وفیض یافتہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ بانی امارت شرعیہ کے شاگرد رشید اور سچے جانشیں تھے، مولانا مونگیریؒ کی روحانیت اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی تربیت ورفاقت نے ان کی ذات کو کندن بنا دیا تھا، ان کی زندگی علم اور سیاست کا شاندار مرقع تھی، ان کا سینہ علوم ومعارف کا خزینہ اور قومی وملی تحریکات کے رازہائے سربستہ کا امین تھا۔ سیاسی زندگی کے شور وہنگامہ کے باوجود انہوں نے ہمیشہ اپنا علمی وتحقیقی مشغلہ جاری رکھا، وہ جنگ آزادی کے بطل جلیل اور ملک وملت کے مسائل پر گہری نظر رکھنے والے تھے، انہوں نے اپنے استاذ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے ساتھ جہاں علم وتحقیق اور تعلیم وتربیت کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، وہیں دینی وملی تحریکات کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی بے لوث خدمات بھی انجام دیں۔ وہ مدرس اور معلم بھی رہے اور امارت شرعیہ کے ناظم، مفتی اور نائب امیر شریعت بھی اور ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن بھی اور پوری زندگی علمی ودینی اور قومی وملی خدمات میں گذار دی۔

مولانا مرحوم صوبۂ بہار کے ایک قصبہ باڑھ کے ایک محلّہ بازید پور میں ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مانڈر ضلع کھگڑیا میں شادی ہوئی اور بعد میں وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی، عربی کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا حکیم محمد صدیقؒ سے پڑھیں، جو باڑھ میں مطب کرتے تھے اور مولانا اپنے گھر بازید پور سے روزانہ پڑھنے کے لیے ان کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔ ''ھدایۃ النحو'' تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ پھر آگے کی تعلیم کے لیے ۱۳۲۷ھ میں جامع العلوم کانپور کا سفر کیا، کچھ دنوں وہاں رہ کر الٰہ آباد کا سفر کیا، جہاں انہیں مدرسہ سبحانیہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ جیسے لائق اور باکمال استاذ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر ان کی کیمیا گر صحبت وتربیت سے پوری طرح مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ اس کے بعد معقولات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے غورغشتی پشاور گئے۔

ظاہری علوم سے فراغت کے بعد تعلق مع اللہ، اصلاح باطن اور قلب ونظر کی دنیا آباد کرنے کی خاطر قطب الارشاد اور عالم ربانی حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ کی صحبت کو لازم پکڑا۔ ان دنوں اس صوبہ میں قادیانیت کا فتنہ زوروں پر تھا، پورا صوبہ فتنۂ قادیانیت کی زد میں تھا اسی فتنہ کی سرکوبی کے لیے مولانا محمد علی مونگیریؒ نے اپنے مرشد قطب عالم حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کے حکم وایماء پر اپنے وطن مالوف کانپور سے ہجرت فرما کر مونگیر کو اپنا مستقر بنایا تھا اور وہاں خانقاہ رحمانی قائم فرما کر اس کو اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا، وقت کے اس عظیم الشان جہاد میں

علماء مخلصین کا مبارک قافلہ آپ کے ساتھ ہم سفر تھا، خوش قسمتی سے مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کو اس قافلہ میں شرکت و شمولیت کی سعادت میسر آئی، چنانچہ وہ علما کی اس مقدس جماعت کے ساتھ اسلام دشمن تحریک کے استیصال کے لیے مولانا محمد علی مونگیریؒ کی زیرنگرانی عملی میدان میں آئے اور اس فتنہ کے خلاف تحریری وتقریری جہاد میں حصہ لیا اور متعدد اہم کتابیں ردقادیانیت کے موضوع پر تصنیف کیں، اس پرآشوب دور میں جب فتنۂ قادیانیت اپنے شباب پر تھا، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی اسلام کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کردی تھیں۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی قیادت وسرپرستی میں آپ ان تینوں باطل تحریکوں کے خلاف مستقل خاموش اور علمی جدوجہد میں منہمک رہے اللہ کے فضل وکرم سے ان مجاہدانہ سرگرمیوں اور کوششوں کے نتیجہ میں شمالی مشرقی ہندوستان کا یہ خطہ ان فتنوں کے اثر سے بڑی حد تک محفوظ رہا۔

مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ کے وصال ۱۳۴۵ھ کے بعد آپ اپنے شفیق استاذ، مفکر اسلام حضرت مولانا محمد سجادؒ کی دعوت پر خانقاہ رحمانی مونگیر سے پھلواری شریف منتقل ہو گئے امارت کا قیام چھ سال قبل ہو چکا تھا اور امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر کے نگراں اعلیٰ مقرر ہوئے، اور اس مثالی شرعی تنظیم کی ترقی واستحکام کے لیے اپنی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں وقف کردی، امارت شرعیہ کے تعارف اور اس کے پیغام سے مسلمانوں کو روشناس کرانے کے لیے مقالات، مضامین، پمفلٹ اور کتابیں لکھیں، دونوں ریاستوں کے اہم مقامات کا دورہ کیا، تنظیم امارت قائم کی، نقباء کا انتخاب کیا اور ہر مسلم آبادی کو مرکز سے جوڑنے اور تمام مقامی مسائل ومشکلات کو شریعت کی روشنی میں حل کرنے کا نظام بانی امارت کی ہدایات کی روشنی میں بنایا اور نقباء کو اس تنظیم کا مقصد اور طریق کار سمجھایا اور امارت شرعیہ کے نظام میں اپنے استاذ کے رفیق اور دست راست بن کر اسے ترقی کے بام عروج تک پہونچایا۔

۱۳۵۹ھ میں جب بانیٔ امارت نے داعی اجل کو لبیک کہا تو امیر شریعت ثانی حضرت مولانا سید محی الدینؒ نے اپنے درج ذیل فرمان کے ذریعہ آپ کو نائب امیر شریعت نامزد فرمایا؛ ''مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے وصال کے بعد سے ادارہ امارت شرعیہ میں نائب امیر شریعت کی جگہ خالی تھی عملاً گرچہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ناظم امارت شرعیہ نیابت کے بعض امور انجام دے رہے تھے لیکن ضابطہ کے طور پر وہ اس منصب کے لیے مامور نہیں کئے گئے تھے ان کے چار سال کے کام نہایت اطمینان بخش ہیں، اس وقت بجز اس کے کہ مولانا مرحوم مجمع الکمالات ذات سے ادارہ امارت شرعیہ محروم ہے اور جس کا بدل بظاہر ہندوستان میں نہیں ہے اس کے علاوہ بحمد اللہ ادارہ امارت شرعیہ اپنے ہر شعبہ میں بہتر حالت میں ہے، جو مولانا رحمانی کی اہلیت اور ان کی مخلصانہ کارگزاری کا عملی ثبوت ہے، ضرورت داعی تھی کہ اس منصب نیابت کا جلد ہی اعلان ہوتا مگر مشیت الٰہی کے ہاتھوں مختلف وجوہ کی بنا پر تاخیر ہوتی رہی، آج ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ یوم جمعہ کو مولانا عبدالصمد رحمانی کا تقرر عہدۂ نیابت امارت پر کردیا گیا، کل سنیچر کے دن سے کارہائے مفوضہ کی طرف متوجہ ہو کر عمل شروع کردیں''۔

اس تقرر کے بعد مولانا رحمانیؒ تاحیات پورے ۳۳ سال اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور قوم وملت کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور تقریباً اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۱۴ ر مئی ۱۹۷۳ء کو اپنی بے لوث اور مخلصانہ خدمت کا صلہ پانے کے لیے اپنے رفیق اعلی سے جا ملے۔ (رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

مولانا رحمانیؒ وسیع النظر عالم دین، اونچے درجہ کے محقق ومصنف اور مختلف اسلامی علوم وفنون کے ماہر تھے، تفسیر، حدیث اور فقہ سب پر گہری نظر تھی لیکن فقہ اور اصول فقہ میں آپ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا اور یہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا جو اخیر عمر تک جاری رہا اور عمر کا بڑا حصہ اسی دشت کی سیاحی میں گذر گیا اور چھوٹی بڑی تقریباً سو کتابیں عملی یادگار چھوڑیں وہ ایک عرصہ تک جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر جیسے دینی وروحانی مرکز میں مدرس رہے اور وہاں سے نکلنے والے علمی ماہنامہ ''الجامعۃ'' کے مدیر رہے اور بہت سے بلند پایہ مضامین لکھے، امارت شرعیہ کے مفتی کی حیثیت سے ہزاروں فتاوے لکھے جن کا بڑا ذخیرہ امارت شرعیہ کے دارالافتاء میں موجود ہے، آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف میں مسئلۂ امارت اور ہندوستان، تاریخ امارت، کتاب الفسخ والتفریق، کتاب العشر والزکوٰۃ، آداب قضا اپنے موضوع پر منفرد اور بے نظیر کتابیں ہیں، اسی طرح قرآن محکم، اسلام میں عورتوں کا مقام، پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کا عالمگیر پیغام، فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چاند، غیر مسلموں کی جان ومال کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر وغیرہ، بڑی قیمتی کتابیں ہیں۔ آپ کی تصنیف کردہ اہم کتابیں دینی مدارس کے نصاب میں داخل رہی ہیں۔ تیسیر القرآن جو جامعہ رحمانی مونگیر اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق مدارس کے وسطانیہ چہارم کے نصاب میں داخل ہے اور واقعی یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے مدارس کے نصاب میں داخل کیا جائے، ایک طرف یہ عربی ترکیب کے لیے بہترین کتاب ہے کہ مبتدی طلبہ کو بتدریج ترکیب سکھاتی ہے، ترکیب اضافی، توصیفی، جملہ فعلیہ خبریہ، جملہ انشائیہ، جملہ شرطیہ، حروف مشبہ بالفعل، افعال ناقصہ، مفاعل خمسہ، حال ذوالحال، ممیّز تمیز وغیرہ تمام ترکیبوں کو جدا عنوان کے تحت سمجھایا گیا ہے۔ دوسری اہم کتاب ''تلخیص الإتقان'' علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ایک جامع اور بیش قیمت کتاب ''**الإتقان فی علوم القرآن**'' پر ہے، جو قرآن کریم سے متعلق تمام ضروری مباحث پر حاوی ہے۔ مولانا رحمانیؒ نے طلبہ کی سہولت کے لیے ایک جامع تلخیص تیار کی ہے، بہر حال ان کی علمی تحقیقات وتفصیلات کی فہرست خاصی طویل ہے۔

۱۴ ر مئی ۱۹۷۳ء مطابق ۱۰ ر ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ روز دوشنبہ کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں وفات پائی۔ (۱)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۳ ر ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی) میں ہوئی، عمر تین سال تھی کہ والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا اس لئے آپ کی پرورش دادی صاحبہ نے فرمائی، نسبی تعلق دیوبند

(۱) فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۱ تا ۳۵۔

کے مشہور عثمانی خاندان سے ہے۔

مولانا نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ دیوبند کے مشہور حفاظ کے پاس پڑھنا شروع کیا، آپ نے قرآن شریف بچپن میں حفظ نہ کیا تھا، ۳۴؍سال کی عمر میں چھ مہینے کی مدت میں حفظ قرآن کی سعادت بھی نصیب ہوئی ابتداءً دارالعلوم دیوبند کے درجہ فارسی وریاضی میں داخل ہوئے، پھر مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون میں منتقل ہوگئے جہاں اپنے ماموں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں تعلیم پائی، کچھ دنوں جامع العلوم کانپور اور مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور میں تعلیم کی تکمیل کی، وہاں مشہور محدث وفقیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے فیض یاب ہوئے، اٹھارہ سال کی عمر میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی، پھر وہیں سات سال تک تدریس کی خدمت انجام دی، بعد میں تھانہ بھون منتقل ہوگئے اور برسوں حضرت حکیم الامتؒ کی رہنمائی میں خدمت انجام دیتے رہے۔ چند برس برما میں رہ کر مدرسہ راندریہ، رنگون میں علمی، تبلیغی اور انتظامی خدمات انجام دیں پھر وہیں سے ڈھاکہ یونیورسٹی میں دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے اور یونیورسٹی کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں صحاح ستہ تک کا درس دیا۔ تقسیم ہند سے قبل ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق کے زمانہ میں تعطیلات گرما میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت، گجرات میں مسلم شریف اور ترمذی شریف کے اسباق پڑھائے۔ کئی بار حج کیا پانچویں حج سے واپسی کے بعد ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان منتقل ہوگئے اور تاحیات دارالعلوم الاسلامیہ والله یار ضلع حیدرآباد، سندھ میں بہ حیثیت شیخ الحدیث، قرآن وسنت اور فقہ وفتویٰ کی خدمت فرماتے رہے۔

تمام دینی علوم وفنون میں آپ کی بلند پایہ تصانیف اتنی زیادہ ہیں کہ ان سب کا مختصر تعارف بھی کرایا جائے تو اس کے لئے ایک مستقل رسالہ کی ضرورت ہوگی۔ مولانا کا سب سے بڑا علمی شاہکار جو اس صدی ہی کا نہیں بلکہ علم حدیث کے چودہ سو سالہ دور کا بہت بڑا کارنامہ ہے، کتاب ''اعلاء السنن'' کی تصنیف ہے جو کہ بیس ضخیم جلدوں میں چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی فرمائش اور رہنمائی میں قیام تھانہ بھون کے دوران تصنیف فرمائی، اس کتاب میں مولانا نے تقریباً بیس سال کی عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد ان احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع فرمایا ہے، جن سے فقہ حنفی ماخوذ ہے اور تمام فقہی ابواب سے متعلق احادیث نبویہ کی بے نظیر محدثانہ تشریح وتفصیل بیان فرمائی۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ''اس شہید علم کی یہ ایک کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے، اگر اور تصنیف نہ ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی وشافی تھی'' یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

مولانا کا دوسرا بڑا علمی شاہکار ''احکام القرآن'' ہے یہ بھی عربی زبان میں ہے، فقہ حنفی قرآن کریم کی کن کن آیات سے ماخوذ ہے اور حنفی فقہ نے کون کون سی آیات سے کن کن فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے؟ ''احکام القرآن'' میں ان

سب کو نہایت تحقیق واحتیاط کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس تصنیف کا کام چار علماء محققین کے سپرد فرما دیا تھا، جن میں سے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے اپنے اپنے حصوں کا کام مکمل فرما لیا اور وہ طبع بھی ہوگئی ایک حصہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے، حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کے سپرد سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک کا کام تھا، جو آپ نے نہایت حسن وخوبی سے انجام دیا، علم تفسیر وعلم فقہ میں مولانا کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا کا تیسرا بڑا کارنامہ ''امداد الاحکام'' ہے جو حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ اور مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور اس کے اکثر مسائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگاہ سے گزر چکے ہیں اور بعض فتاویٰ حضرت حکیم الامتؒ نے بھی تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے تدریس وفتویٰ اور تصنیف وتالیف کے علاوہ تبلیغی خدمات میں بھی بھرپور حصہ لیا اور وعظ و تذکیر اور زبانی مناظروں کے ذریعہ دین کی تبلیغ اور باطل کی سرکوبی کا سلسلہ ان تمام علمی وتحقیقی خدمات کے ساتھ تا حیات جاری رہا، برما میں رنگون کے قریب ایک بستی ''ویڈنو'' کے سارے مسلمان بہائی مذہب قبول کر کے مرتد ہوگئے تھے، حضرت مولانا کی تبلیغی کوششوں سے بحمد اللہ ایک ہی سال میں وہ سب دوبارہ مسلمان ہوگئے، صرف سترہ آدمی اس مذہب میں ایسے باقی رہ گئے جنہیں مرکز بہائیت امریکہ سے بڑی بڑی تنخواہیں تھیں۔

عیسائی پادریوں، قادیانیوں اور متعدد فرقوں کے مبلغین سے آپ کے بڑے کامیاب مناظرے ہوئے جن کی بصیرت افروز تفصیلات ''تذکرۃ الظفر'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

زندگی کے آخری ایام میں بیس سال دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں دین کی خدمت کی، امراض کا ہجوم ہو چکا تھا اور جسمانی توانائیاں ختم ہورہی تھیں، مگر صحیح بخاری کا درس اور فتاویٰ کا سلسلہ آخر حیات تک جاری رہا، نماز باجماعت اور اذکار ونوافل کی پابندی میں فرق نہ آیا، جب معذوری زیادہ ہوگئی تو ہاتھ کی گاڑی میں مسجد تک تشریف لے جاتے تھے، زبان پر اکثر اوقات ذکر جاری رہتا۔

۱۳۹۴ھ کے رمضان میں معالجین نے مسلسل امراض کے باعث روزہ سے منع کیا تھا، مگر آپ نہ مانے اور فرمایا کہ:

''حضرت عباسؓ نے نوے سال کی عمر میں بھی روزہ ترک نہ فرمایا اور سخت مشقت کے باوجود فدیہ دے کر روزہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے تو میں اس پر کیسے راضی ہو جاؤں''؟

بالآخر اسی سال ۱۳۹۴ھ کے ماہ ذیقعدہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوار رحمت میں بلالیا کراچی میں وفات ہوئی اور یہیں پاپوشنگر کے قبرستان میں مدفون ہوئے، آپ کے صاحبزادے نے تاریخ وفات ۱۳۹۴ھ نکالی ہے۔(۱)

(۱) امداد الاحکام: ۱/۱۰۰-۱۰۵۔

حضرت مولانا محمد عثمان غنی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا محمد عثمان غنیؒ شرفاء کی قدیم آبادی دیورہ ضلع گیا کے خوش حال زمیندار خاندان میں ۱۵؍رجب ۱۳۱۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۹۶ء روز چہارشنبہ کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر مکمل کرنے کے بعد ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے ۳۵-۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث میں شریک ہوئے لیکن رجب میں گھر چلے آئے، اس امتحان میں شریک نہ ہوسکے، پھر ۳۶-۱۳۳۵ھ میں دوبارہ دورۂ حدیث میں شرکت کرکے فراغت حاصل کی، اس طرح آپ نے دوسال دورۂ حدیث میں شرکت کی۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند محض ایک درسگاہ نہ تھی اسے ہندوستان کے انقلابی اور حریت پسند علما کے مرکز کی حیثیت بھی حاصل تھی، چنانچہ دیوبند میں قیام کے دوران آپ کو اس وقت کے مشہور انقلابی عالم مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی قربت اور سرپرستی حاصل رہی، دراصل مولانا محمد عثمان غنیؒ کے چھوٹے چچا مولانا شاہ ولایت حسینؒ (فاضل دیوبند) کے مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے نہایت گہرے مراسم تھے، اس وجہ سے مولانا سندھیؒ آپ پر خاص توجہ اور شفقت فرماتے تھے، جب مولانا سندھیؒ نے ''مؤتمر الانصار'' اور ''جمعیۃ الانصار'' نام کی تنظیمیں قائم کیں تو ان کی سرگرمیوں میں مولانا محمد عثمان غنیؒ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ۱۹۱۱ء میں مرادآباد نیز ۱۹۱۲ء میں میرٹھ میں تنظیموں کے اجلاس میں پیش پیش رہے، جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کا جو وفد بہار میں آیا تھا اس کے ایک رکن مولانا بھی تھے۔

یہ وہ دور تھا جب ہندوستان ایک تاریخی موڑ پر کھڑا تھا، انگریزی داں قائدین انگریز حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی تدبیروں میں مصروف تھے، دوسری طرف علما کی جماعت حریت وآزادی کا پرچم بلند کئے ہوئے بڑی بڑی قربانیاں دے رہی تھی، ریشمی رومال کی تحریک کے تانے بانے بنے جارہے تھے، بوریہ نشیں اور درویش صفت علما درسگاہوں، خانقاہوں اور حجروں سے حریت وآزادی کی روشنی پورے ملک میں پھیلا رہے تھے، انگریز حکمرانوں کی ان پر کڑی نگاہ تھی، بہت سارے گرفتار کرلیے گئے تھے، جو بچ رہے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تحریک کو کن خطوط پر آگے بڑھایا جائے، لگ بھگ یہی زمانہ تھا جب مولانا محمد عثمان غنیؒ تعلیم کی تکمیل کے بعد شعبان ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں وطن واپس آئے اور یہاں آپ کی ملاقات ہندوستان کے مشہور عالم دین، سیاست داں اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ سے ہوئی، ملاقات کا یہ سلسلہ پہلے ہی سے تھا، مولانا محمد سجادؒ کے پیش نظر بہت سے منصوبے تھے، جن کو بروئے کار لانے کے لیے انہیں مناسب افراد کی تلاش تھی، ان کی مردم شناس نظروں سے مولانا محمد عثمان غنیؒ کی شخصیت میں پنہاں گوناگوں جوہر پوشیدہ نہ رہ سکے۔

مولانا محمد سجادؒ نے آپ کو اپنی رفاقت کے لیے چن لیا اور یہ انتخاب غلط نہ تھا، بعد میں آپ ان کے معتمد ومشیر اور دست راست بن گئے، مولانا آزادیٔ وطن کی عملی جدوجہد سے وابستگی کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے

استحکام اور بقا کے لیے ایک ایسی تنظیم کے لیے کوشاں اور فکر مند تھے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہو اور جو مسلم معاشرہ میں اسلامی قوانین کے اجراء ونفاذ کے لیے پوری طرح ذمہ دار ہو، بالآخر ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور ۱۹؍شوال ۱۳۳۹ھ کو مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صدارت میں پٹنہ میں ''جمعیۃ علماء بہار'' کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا اور اس اجلاس میں ''امارت شرعیہ'' کا قیام عمل میں آیا۔ صوبۂ بہار کی مشہور وممتاز ''خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف'' کے سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ بدرالدینؒ امیر شریعت اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نائب امیر شریعت منتخب ہوئے، ۹؍(نو) ارکان پر مشتمل مجلس شوریٰ تشکیل پائی جس کے ایک رکن مولانا محمد عثمان غنیؒ بھی تھے اور یہ ارکان میں سب سے کم عمر تھے، پہلی مجلس شوریٰ کے نو ارکان یہ تھے۔ حضرت مولانا شاہ محمد محی الدینؒ، جو بعد میں امیر شریعت ثانی ہوئے، حضرت مولانا عبدالوہابؒ دربھنگہ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا قاضی شاہ محمد نورالحسنؒ، حضرت مولانا عبدالاحدؒ جالے، دربھنگہ، حضرت مولانا فرخند علی سہسرامیؒ، حضرت مولانا کفایت حسینؒ، حضرت مولانا زین العابدینؒ اور حضرت مولانا محمد عثمان غنیؒ۔ مجلس شوریٰ نے ۲۶؍سال کے اس عالم دین کو ''امارت شرعیہ'' کا پہلا ناظم مقرر کیا۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ نے مولانا محمد عثمان غنیؒ کے والد محترم کو دیورہ خط لکھا کہ ''عثمان غنی کو میں نے ''امارت شرعیہ'' کی نظامت کے لیے بلایا ہے آپ ان کو اجازت دے دیجئے گا، روکئے گا نہیں''۔

آپ مولانا محمد سجادؒ اور شاہ محمد قاسمؒ کے ساتھ ۹؍ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کو پھلواری شریف پہونچے اور آپ نے ''خانقاہ مجیبیہ'' کے کمرے کو جو جنوب کی طرف بڑے دروازے کی دوسری منزل پر ہے دفتر کے لیے پسند کیا، اس طرح ۹؍ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ کو ''خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف'' میں ''امارت شرعیہ'' کا وہ تاریخی دفتر قائم ہوا، جہاں سے ہندوستان کی آزادی کا پرچم بلند ہوا جو آج بھی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ملت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

یہ مولانا کی دینی وقومی زندگی کی ابتدا تھی، ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں ''امارت شرعیہ'' نے اپنا ایک پندرہ روزہ اخبار نکالنا طے کیا، اور اس اخبار کا نام ''امارت'' رکھا جس کا پہلا شمارہ یکم محرم ۱۳۴۳ھ کو مولانا کی ادارت میں منظر عام پر آیا، اس اخبار کی ادارت اور امارت شرعیہ کی نظامت کے علاوہ مولانا شاہ محمد عباسؒ کے انتقال کے بعد دارالافتاء امارت شرعیہ کے آپ ہی مفتی مقرر ہوئے اور قریب پچاس سال تک آپ کے تفقہ اور افتا سے بہار کے عوام وخواص مستفید ہوتے رہے۔ آپ کو جزئیات فقہ اور افتا میں پورا عبور حاصل تھا، اس لیے صوبۂ بہار اور بیرون صوبہ کے بھی اکثر وبیشتر استفتا آپ کے پاس آتے تھے اور لوگ آپ کے مدلل جوابات سے مطمئن ہوتے تھے۔ تحقیق مسائل اور تشریح علوم میں آپ سب لوگوں کے مستند اور معتمد علیہ تھے، بعض مسائل میں مولانا موصوف اپنی خاص رائے رکھتے تھے، جس سے ان کی اصابت فکر اور تفقہ کا پتہ چلتا ہے، آپ کے فتاویٰ سے دارالافتاء کو بڑا وقار اور اعتماد حاصل ہوا۔

''امارت'' کے پہلے ہی شمارے سے مولانا کے بلند مرتبہ اور صاحب طرز صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ادب و

صحافت کے میدان میں آپ کی حق گوئی اور بے باکی کے اوصاف نمایاں ہونے لگے، تاریخ صحافت آپ کے قلم کو ہمیشہ یادرکھے گی، جس نے بزدلوں کو بہادری سکھائی، خدا ناشناسوں کو خدا شناسی کا درس دیا، اثر، سادگی اور دلکشی کے اعتبار سے اس وقت دو ہی صحافت نگار تھے، پنجاب میں مولانا غلام رسول مہر، ایڈیٹر انقلاب، لاہور اور بہار میں مولانا محمد عثمان غنیؒ ایڈیٹر امارت ونقیب پھلواری شریف، سیاسی اور فقہی مسلک سے اختلاف کے باوجود، ہر شخص ان دونوں کا معترف، مداح اور معتقد تھا۔

وہ دور انگریزی حکومت کے عروج کا دور تھا، اس وقت اعلان حق وصداقت دارورسن کی آزمائش کو دعوت دینے کے مترادف تھا، لیکن مولانا کبھی مرعوب نہیں ہوئے، حکومت برطانیہ کی فروگذاشتوں پر نہایت جارحانہ انداز میں گرفت کرنے کے نتیجہ میں حکومت نے آپ کی تحریروں پر بار بار مقدمے چلائے اور بالآخر جریدہ ''امارت'' کو غیر قانونی قرار دے کر بند کردیا۔

اخبار ''امارت'' کے ۸؍مئی ۱۹۲۶ء کے اداریہ کو حکومت نے قابل اعتراض قرار دے کر اس شمارہ کو ضبط کرلیا اور مولانا پر بغاوت کا مقدمہ قائم کردیا۔ ۲۷؍نومبر ۱۹۲۶ء کو عدالت زیریں نے ایک سال قید اور پانچ سوروپیہ کے جرمانے کی سزا سنائی۔ عدالت عالیہ میں اپیل کی گئی۔ ۲۷؍دسمبر کو اپیل کی منظوری کے بعد مولانا ضمانت پر جیل سے رہا ہوگئے، ہائی کورٹ نے قید کی سزا ختم کردی، لیکن جرمانہ بحال رکھا جو ادا کردیا گیا۔

اگست ۱۹۲۷ء میں بتیا میں ایک زبردست فساد ہوا جس کے خلاف آپ نے ۲۰؍صفر ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹؍اگست ۱۹۲۷ء کے ''امارت'' میں ایک اداریہ لکھا، حکومت بہار نے اس اشاعت کو ضبط کرلیا اور آپ پر زیر دفعہ ۱۵۳(الیف) مقدمہ چلایا، اس میں پھر ایک سال قید اور ڈھائی سوروپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ ڈسٹرک جج کے یہاں اپیل دائر کی گئی، مولانا کے وکیل بہار کے معماروں میں سے ایک اور اس وقت کے مشہور قانون داں مسٹر علی امام تھے، ایک دن جیل میں رہ کر مولانا ضمانت پر رہا ہوئے۔ ۳۰؍اپریل ۱۹۲۸ء کو اپیل کا فیصلہ ہوا اور مولانا بری کردیئے گئے۔ تیسری بار پھر حکومت بہار نے ۱۳۵۳ھ کے ''امارت'' کے ایک اداریہ کو قابل اعتراض قرار دے کر ایک ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کرلی، جس کے ادا نہ کرنے پر حکومت نے اخبار کو بند کردیا۔

اس کے بعد اخبار ''نقیب'' کا اجراعمل میں آیا، اس کے قانونی ایڈیٹر اس کے منیجر مولوی صغیر الحق ناصری مرحوم تھے، لیکن عملاً اس کے مدیر بھی مولانا ہی تھے، ہندوستان کی آزادی کے بعد ۲۰؍جمادی الاخریٰ ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۰؍اپریل ۱۹۴۹ء کے شمارہ سے ایڈیٹر کی حیثیت سے نقیب پر بھی آپ کا نام آنے لگا۔

حضرت مولانا سید محمد عثمان غنیؒ نے صرف امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے ہی دین وملت کی خدمات انجام نہیں دیں بلکہ ہندوستان کے قدیم ترین جماعت ''جمعیۃ العلماء'' سے بھی آپ کا اٹوٹ تعلق رہا۔ جب سے ''جمعیۃ العلماء'' بہار، کا قیام عمل میں آیا، آپ اس وقت سے تازندگی ۱۳۹۷ھ تک اکسٹھ سال مجلس عاملہ کے رکن رہے اور اس درمیان

نائب ناظم، ناظم، نائب صدر اور صدر کے عہدے پر فائز ہوتے رہے، مرکزی جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس منتظمہ کے تا حیات رکن رہے تھے، ''جمعیۃ العلماء'' ہند، کے زیر انتظام دینی تعلیمی بورڈ کو بھی مولانا کا تعاون حاصل رہا، مولانا اس کی صوبائی شاخ کے صدر تھے۔

خاندانی شرافت ونسبی وجاہت نیز علمی عظمت کے ساتھ ساتھ تصوف وشریعت کے بھی جامع فرد تھے، ایک طرف تو آپ نے حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے متبحر محقق عالم سے شرف تلمذ حاصل کیا تو دوسری طرف ایک صاحب نسبت شیخ طریقت بزرگ حضرت شاہ فدا حسینؒ دیورہ ضلع گیا سے علوم طریقت حاصل کیا اور ان کی طرف سے بیعت و ارشاد کے مجاز بھی تھے، مگر عملاً کبھی آپ نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد عثمان غنیؒ جیسی فعال شخصیت کم وجود میں آتی ہے جو مختلف اقسام کے مشاغل ومناصب کو بحسن وخوبی پورا کرے اور جس میں ایسی جامع صلاحیت ہو کہ ہر ایک کام کے لیے موزوں اور راست آئے۔

۲۶/ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۸/دسمبر ۱۹۷۷ء یوم پنج شنبہ کو پھلواری شریف میں مولانا کا انتقال ہوا اور قبرستان ''خانقاہ مجیبیہ'' پھلواری شریف، میں آپ مدفون ہوئے۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کی ولادت دیوبند، ضلع سہارنپور میں ۲۰، ۲۱/شعبان ۱۳۱۴ھ کی درمیانی شب (جنوری ۱۸۹۷ء) میں ہوئی، دیوبند کے مشہور عثمانی خاندان سے آپ کا تعلق تھا مگر والدہ سادات سے تھیں، جب عمر پانچ سال کی ہوئی تو دار العلوم میں داخلہ کرا دیا گیا اور حافظ محمد عظیم کے پاس قرآن پڑھنا شروع کیا، فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد ماجد سے دار العلوم ہی میں پڑھیں، حساب وفنون ریاضی اپنے چچا مولانا منظور احمد (مدرس دار العلوم دیوبند) سے حاصل کیں، عربی، صرف ونحو اور فقہ کی کتابیں بھی اپنے والد ہی سے پڑھیں۔

شعبان ۱۳۳۷ھ میں دار العلوم سے فراغت ہوئی اور مہتمم صاحب نے دار لعلوم ہی میں مدرس رکھ لیا، آپ کا ارادہ بلا معاوضہ تدریسی خدمت کا تھا، اس لیے دینی علوم کو کسب معاش کا ذریعہ نہ بنا کر فن خطاطی، جلد سازی اور طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، چنانچہ بعض کتابیں آپ ہی کے دستی خط سے شائع ہوئیں اور بعض کتابیں تو آپ کے پاس ایسی بھی تھیں جن کے مصنف بھی آپ ہی تھے، کتابت بھی آپ ہی کی تھی، اور جلد سازی بھی خود ہی کی تھی، جب تدریس کے ساتھ افتا کی خدمت بھی آپ کے سپرد کی گئی تو کسب معاش کے لیے دوسرے کاموں کی فرصت نہیں مل سکی اور آپ کا بلا معاوضہ تدریسی خدمت کا خواب زیادہ دنوں شرمندہ عمل نہیں رہ سکا، ۱۳۴۹ھ میں آپ کو دار الافتاء کا صدر مفتی بنایا گیا، ۱۳۶۲ھ میں تحریک پاکستان میں آزادانہ حصہ لینے کی وجہ سے دار العلوم سے مستعفی ہوگئے اور ۲۰/جمادیٰ الاخریٰ

(۱) مقدمہ فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۸/۲-۴۲۔

۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی دعوت پر دستور اسلامی کی ترتیب کے لیے پاکستان منتقل ہو گئے، شوال ۱۳۷۰ھ میں دارالعلوم کراچی کی بنیاد ڈالی۔

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، مفتی صاحب کو آپ پر بڑا فخر اور اعتماد تھا، چنانچہ آپ کی تدریس کے آغاز ہی سے آپ کے استاذ بعض استفتا آپ کے حوالہ کر دیتے تھے اور جب ۱۳۴۴ھ میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے تو چند سال مولانا ریاض الدین وغیرہ مختلف علما سے افتا کی خدمت متعلق رہی پھر ۱۳۴۹ھ میں مفتی شفیع صاحبؒ کو دارالافتاء میں صدر مفتی کے جلیل القدر منصب پر فائز کیا گیا اور ۱۳۶۲ھ تک آپ نے اس عہدہ پر فائز رہ کر تقریباً چالیس ہزار فتاویٰ تحریر کئے۔ ۵ر ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے لیکن عوام وخواص کے رجوع اور اپنے پیرومرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہدایت پر افتا کا سلسلہ جاری رکھا، تاہم ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۱ھ تک نو سالوں میں جو فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے انہیں محفوظ نہیں کیا جا سکا، پھر ۱۳۷۱ھ میں دارالعلوم کراچی کے شعبۂ افتا سے ۱۹۵۹ء تک جو فتاویٰ لکھے ان کی نقل محفوظ کی گئی جن کی تعداد ستر ہزار نو سو بارہ ہے ان کے علاوہ مقدمات کے فیصلے اور زبانی فتووں کی تعداد بے شمار ہے۔

آپ نے جدید مسائل کو اجتماعی آراء سے حل کرنے کے لیے ایک مجلس ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے قائم کی تھی، جس میں علامہ یوسف بنوریؒ، مفتی رشید احمدؒ (مہتمم اشرف المدارس ناظم آباد، پاکستان) اور دارالعلوم کراچی اور شہر کے خاص اساتذہ شریک ہوتے تھے اور ہر ماہ اس مجلس کے تحت اجلاس منعقد ہوتے تھے اور نو پیش آمدہ مسائل کی اجتماعی طور پر تحقیق کی جاتی تھی۔ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سب سے غالب پہلو جس کا تسلسل کبھی ختم نہیں ہوا، وہ خدمت افتا ہی ہے، چنانچہ فراغت کے فوری بعد ہی سے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اپنے آپ کو اس کام میں مصروف رکھا یہاں تک کہ زندگی کا سب سے آخری کام فتویٰ نویسی ہی کا کام تھا چنانچہ اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے قبل بھی ایک استفتا کا جواب لکھوایا تھا۔ آپ کے فقہی مقام کا اندازہ فتاویٰ کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے، نیز عوام وخواص کا آپ کی طرف رجوع اور اکابر علما کا اعتماد بھی فقہ وفتاویٰ میں آپ کے عالی مقام کا پتہ دیتے ہیں۔

فقہ وفتاویٰ سے منسلک دوسرے علما کے درمیان آپ کو کئی پہلوؤں سے امتیاز حاصل تھا اور کئی اعتبار سے آپ کی ذمہ داریاں بڑھی ہوئی تھیں مثلاً:

(۱) نئی ایجادات: آپ کے زمانہ میں زندگی کے مختلف شعبوں میں ایسی ایسی نئی ایجادات آ گئیں جو آپ سے پہلے نہیں تھیں اور ان کے بارے میں فقہی جزئیات بھی خاموش تھیں اس لیے آپ نے بڑی محنت اور دقت نظر سے ان مسائل کو حل فرمایا۔

(۲) دارالعلوم کی مرکزیت: آپ کے زمانہ میں دوسرے مفتیان بھی تھے مگر ان کے فتاویٰ کا وہ اثر نہیں تھا جو

آپ کے فتاویٰ کا تھا اوراس کی وجہ دارالعلوم دیو بند کی مرکزیت تھی، چنانچہ اس مرکزیت کے احساس کی وجہ سے آپ بڑی ذمہ داری سے اور خوب سوچ سمجھ کر کسی استفتا کا جواب لکھتے تھے۔

(۳) غیر مسلم حکومت: آپ سے پہلے کے علما نے کسی قدر مسلم حکومت کو پایا تھا جس میں نہ غیر اسلامی معاملات کی ترویج زیادہ تھی اور نہ اسلامی احکام پر کسی طرح کی رکاوٹ، جب کہ آپ کے زمانہ میں انگریزوں کا غلبہ بڑھا ہوا تھا اور مظالم کے طوفان امنڈ پڑے تھے ایسے وقت میں کسی بھی فتویٰ کی غلط تشریح وتوضیح کر کے علما کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور انہیں عتاب کا شکار بنایا جاتا تھا اس لیے بڑی احتیاط اور بڑے غور وخوض کے بعد جچے تلے الفاظ کے ساتھ آپ کو جوابات لکھنے پڑتے تھے۔

(۴) اکابر کے فتاویٰ کی کم یابی: آپ سے پہلے والوں کو صلاحیت مند اساتذہ اور علما کی بڑی تعداد میسر تھی جن سے رجوع ہو کر کسی مسئلہ کا جواب دینا آسان تھا اور آپ کے بعد کے علما کے سامنے مختلف مسائل پر دی گئیں اکابر کی آراء اور ان کے فتاویٰ موجود تھے جب کہ آپ کی زندگی کے بڑے حصے میں ایسے اکابر علما بھی نہیں تھے جن سے رجوع ہوتے اور نہ اکابر کے فتاویٰ مرتب تھے جن سے رہنمائی لی جاسکتی تھی۔

(۵) مسائل کی تحقیق: آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ عموماً علما انہیں مسائل کے جوابات لکھتے تھے جو ان سے پوچھے گئے ہوں، لیکن آپ نے ان کے علاوہ اس وقت امت کو جو مسائل پیش آسکتے ہیں اور جن مسائل میں امت کی رہنمائی کی ضرورت تھی بغیر پوچھے بھی آپ نے ان مسائل کی پوری تحقیق فرمائی اور قرآن وحدیث اور اصول اسلام کی روشنی میں امت کی رہنمائی فرمائی۔

فتاویٰ نویسی میں آپ کا جو منہج اور طریقۂ کار تھا اسے درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) سب سے پہلے آپ یہ دیکھتے تھے کہ استفتا جواب دینے کے لائق ہے یا نہیں کیوں کہ بسا اوقات حاصل کرنے کا مقصد عمل کرنا یا علم میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ مخالف کو زیر کرنا یا فتنہ پیدا کرنا ہوتا ہے، اس لیے آپ ایسے استفتا کا جواب نہیں لکھتے تھے بلکہ نصیحت کر دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک صاحب کا استفتا آیا کہ فلاں امام صاحب فلاں فلاں آداب کا خیال نہیں رکھتے کیا انہیں ایسا کرنا چاہیے تو آپ نے جواب لکھا کہ یہ سوال تو خود امام صاحب سے پوچھنے کا ہے انہیں کہئے کہ وہ تحریراً یا زبانی معلوم کرلیں۔

(۲) نظریاتی (غیر عملی) سوالات کی آپ حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ سے پوچھا گیا: ''یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں''؟ آپ نے جواب دیا کہ یزید سے پہلے اپنی مغفرت کی فکر کرنی چاہیے۔

(۳) فتاویٰ لکھتے وقت آپ اس پہلو سے بھی بہت غور کرتے تھے کہ اس جواب کا نتیجہ کیا ہوگا، مثلاً کوئی مباح چیز ہے، مگر اس سلسلہ میں کھلی چھوٹ دینے سے معصیت تک پہونچنے کا اندیشہ ہے، ایسے وقت میں فتویٰ کے بجائے

مشورہ لکھا کرتے تھے کہ یہ عمل مناسب نہیں ہے، یا اس سے گریز کرنا چاہیے۔

(۴) فتویٰ کی عبارت میں فقہی اصطلاحات سے بھی بہت گریز کرتے تھے اور ایسا لکھتے تھے کہ فقہ کی شوکت اور فقہی باریکیاں بھی برقرار رہے اور عام لوگوں کے لیے سمجھنا بھی آسان ہو، مثلاً ترکہ کے مسئلہ میں عموماً علما جواب اس طرح لکھتے ہیں: ''مرحوم کا جملہ ترکہ بعد تقدیم حقوق متقدمہ علی الارث حسب ذیل طریقہ پر تقسیم ہوگا......''۔ اب جو شخص ''حقوق متقدمہ علی الارث'' سے واقف ہی نہ ہو اور دین سے اس بے اعتنائی کے دور میں انہیں اس کا مطلب بتانے والا بھی کوئی نہ ہو وہ ترکہ کس طرح تقسیم کریں گے؟ اس لیے آپ وراثت کے مسئلہ میں جواب اس طرح لکھتے ہیں:

صورت مسئولہ میں مرحوم نے جو نقدی، زیور، جائیداد، یا چھوٹا بڑا سامان چھوڑا ہو، اس میں سے پہلے مرحوم کی تجہیز و تکفین کے متوسط اخراجات نکالے جائیں، پھر مرحوم کے ذمہ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے اور بیوی کا مہر اگر ابھی ادا نہیں ہوا ہو تو وہ بھی دین میں شامل ہے اس کو ادا کیا جائے پھر مرحوم نے کوئی جائز وصیت کسی غیر وارث کے حق میں کی ہو تو ۱/۳ کی حد تک اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، اس کے بعد جو ترکہ بچے اسے حسب ذیل تفصیل کے مطابق تقسیم کیا جائے گا......۔

(۵) کسی مسئلہ کا جواب مفصل و مدلل لکھنا ہو تو آپ تمہید اور دلائل کے ساتھ فتویٰ نہیں لکھتے تھے بلکہ پہلے اصل مسئلہ کا مختصر اور سادہ حکم لکھتے تھے تاکہ طالب کا مقصد پہلے ہی جملہ سے پورا ہو جائے اور ایسا اختلاط نہ ہو کہ عام آدمی کے لیے مسئلہ سمجھنا مشکل ہو جائے اس کے بعد دلائل وغیرہ کی تفصیل لکھتے تھے تاکہ علما اور دلائل معلوم کرنے والوں کو بصیرت حاصل ہو سکے۔

(۶) اگر سوال کرنے والے نے گڈ مڈ کر کے مفصل استفتا لکھا ہو اور اس میں کچھ زائد باتیں بھی آ گئی ہوں جن سے حکم پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو، تو آپ پہلے ان سوالات کا تجزیہ کر کے انہیں نمبر وار لکھتے تھے پھر ان کے جوابات بھی نمبر وار تحریر فرماتے تھے۔

(۷) کسی مسئلہ کی طرف آپ کے دل کا میلان ہوتا اور اکابر سے اس سلسلہ میں واضح رائے نہیں ملتی تو آپ تفرد اختیار کرنے اور اپنی الگ رائے لکھنے سے بہت گریز کرتے تھے اور اس سے آپ کو سخت نفرت تھی چنانچہ ایسے سوالات کو مؤخر کر دیتے تھے اور کافی تلاش و جستجو کے بعد جب اکابر کی تائید حاصل ہو جاتی تب آپ اس کا جواب لکھتے تھے تاکہ الگ الگ لوگوں کی آراء کی وجہ سے امت انتشار کا شکار نہ ہو جائے۔

آپ کی وفات دس اور گیارہ شوال ۱۳۹۶ھ کی درمیانی شب میں کراچی (پاکستان) میں ہوئی، علمی و قلمی سرمایوں میں سب سے اہم اور متبرک سرمایہ ۸/جلدوں میں قرآن مجید کی مفصل اردو تفسیر ''معارف القرآن'' ہے جو عوام و خواص کے لیے یکساں مفید و مقبول ہے، اس کے بعد آپ کے گہربار قلم سے نکلے ہوئے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فتاویٰ ہیں جن میں

سے ایک حصہ ’’امداد المفتیین‘‘ کے نام سے شائع ہوا ہے،’’امداد المفتیین‘‘ دار العلوم دیوبند میں آپ کے لکھے گئے فتاویٰ کے سولہ رجسٹروں میں صرف ایک رجسٹر کا بعض حصہ ہے، ان کے علاوہ آپ کی باضابطہ تصانیف ڈیڑھ سو سے زائد ہیں، ذیل میں آپ کی چند مشہور تصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) جواہر الفقہ (۲ / جلدیں): یہ آپ کے چوالیس فقہی رسائل کا مجموعہ ہے۔

(۲) احکام القرآن: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم پر اور ان کی نگرانی میں کئی علمانے مل کر اس کام کو کیا ہے، اس میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پانچویں اور چھٹی منزل کا کام کیا ہے، جس کی اشاعت ’’**أحکام القرآن للتھانوی**‘‘ کے نام سے ہوئی۔ یہ کتاب عربی زبان میں فقہی ترتیب پر لکھی گئی ہے اور قرآن مجید سے حنفی مسلک کے دلائل کو واضح کیا گیا ہے۔

(۳) آلات جدیدہ کے شرعی احکام: اس کتاب میں ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، انجکشن، ایکسرے، ہوائی جہاز، لاؤڈ اسپیکر، فوٹو گرافی، سنیما اور فلم، خون کا عطیہ اور اعضا کی پیوند کاری وغیرہ سے متعلق احکام شرعیہ بیان کئے گئے ہیں۔

(۴) اسلام کا نظام زرعی: یہ کتاب ہندوستان کی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کے بارے میں ہے، ہندوستان میں زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، بڑی محنت کے بعد یہ کتاب مرتب ہوئی ہے۔

(۵) فتوح الہند: نظام زرعی کی تحقیق کے دوران آپ نے جو فتوحات کی تاریخ پڑھی اسی کو آپ نے جمع فرما کر فتوح الہند کے نام سے شائع فرمایا۔

(۶) اوزان شرعیہ: فقہ میں جو اوزان، پیمانے، مد، اوقیہ، رطل اور صاع وغیرہ کا ذکر آتا ہے وہ پیمانے چونکہ اس وقت موجود نہیں ہیں اس لیے موجودہ اوزان میں ان کو منتقل کرنا ضروری تھا، کیوں کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے علما سے بھی چوک ہو جاتی تھی، اس لیے آپ نے باضابطہ جنگلوں اور کھیتوں میں جا کر اپنے ہاتھوں سے اصلی اور متوسط ’’رتی‘‘ توڑ کر اسی طرح ’’جو‘‘ وغیرہ لے کر ان کے ذریعہ وزن مقرر کیا، اس طرح یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر بعد کے علما کے لیے بڑی مفید اور بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر کی مصداق ہے۔

(۷) ختم نبوت کامل: اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل کتاب ہے جس میں قرآن مجید کی سو سے زائد آیات، دو سو دس احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اور کسی اور کی نبوت کا ناممکن ہونا بیان کیا گیا ہے، نیز قادیانیوں کے اشکالات کے مدلل اور دلنشیں جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

(۸) کشکول: یہ آپ کے مختلف فقہی، تاریخی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے نیز اس کے آخر میں آپ کے اردو، فارسی کے اشعار اور قصائد بھی شامل ہیں۔

ان کے علاوہ اسلام کا نظام تقسیم دولت، رفیق مع احکام سفر الحج، قرآن میں نظام زکوٰۃ، بیمہ اور انشورنس کی شرعی

حیثیت، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ، احکام القمار، تصویر کے شرعی احکام، رؤیت ہلال کے شرعی احکام، احکام دعا اور اسلامی ذبیحہ جیسی تصانیف بھی قلمی شاہکار ہیں۔(۱)

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ:

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ کا وطن ضلع کرنال کی تحصیل کا مشہور قصبہ ''گمتھلہ گڑھو'' تھا، ۱۵ر محرم ۱۳۱۵ھ میں ولادت ہوئی، پانچ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تھا، والد جناب حکیم محمد غوث صاحب دھلی کے مشہور حکیم ہوئے ہیں، فارسی ادب کا خاص ذوق رکھتے تھے اور دھلی کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت وارادت کا تعلق تھا۔

قرآن شریف اور نوشت وخواند کی تعلیم اپنے قصبہ میں پیر جی محمد اسحٰق صاحب وغیرہ سے حاصل کی، پھر سہارنپور کے شہرۂ آفاق مدرسہ ''مظاہر علوم'' میں داخل ہو کر شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی زیر سرپرستی درس نظامی کی باقاعدہ تحصیل شروع فرمادی۔

اسی اثنا میں درس نظامی کا کچھ حصہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے زیر سایہ خانقاہ تھانہ بھون میں مولانا انوار الحق امروہویؒ اور سید احمد حسن سنبھلیؒ سے پڑھنے کا موقع ملا، گاہ بہ گاہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے علمی استفادہ فرماتے رہے۔

''مدرسہ عبدالرب دھلی''، میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ سے حدیث کی دو مشہور کتابیں مسلم شریف اور ترمذی شریف دوبارہ پڑھیں، مولانا عبدالعلی صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگردوں میں امتیازی شان رکھتے تھے اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اساتذہ میں سے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے حدیث کی مشہور کتابیں ''صحاح ستہ'' اور ''مؤطّین'' کی اور علوم نقلیہ وعقلیہ کی قلمی سند بھی حاصل تھی۔

فراغت کے بعد حضرت سہارنپوریؒ کے ایماء پر موضع اجراڑہ ضلع میرٹھ کے ایک مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے اس کے بعد مختلف مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

بعد ازاں تھانہ بھون میں اپنے پیر ومرشد حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کی رہنمائی میں تدریس وتالیف اور تبلیغ وفتویٰ کی خدمات میں مشغول ہو گئے، اور تقریباً پچیس سال اس خانقاہ سے تعلق رہا، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف سے آپ مجاز صحبت ہیں۔

اسی پچیس سالہ دور میں تقریباً ایک سال آپ نے حیدر آباد، سندھ میں بھی تدریسی اور تبلیغی امور انجام دیئے، کچھ مہینے ریواڑی کے عربی مدرسہ میں بحیثیت مدرس قیام فرمایا۔

(۱) فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات: ۲۷۱-۲۸۲۔

حضرت حکیم الامتؒ کو مفتی صاحبؒ پر حد درجہ اعتماد تھا، بڑے بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور فرماتے اور اپنے علمی، تحقیقی اور تبلیغی کاموں میں شریک رکھتے تھے۔

۱۳۴۱ھ میں آگرہ کی طرف سے فتنۂ ارتداد کی خبر پہنچی کہ وہاں آریہ، مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر رہے ہیں، حضرت حکیم الامتؒ نے اس فتنہ کے سد باب کے لئے مفتی صاحب مرحوم اور مولانا عبدالمجید بچھرانوی کو روانہ کیا، یہ دونوں حضرات وہاں دوسال تک تبلیغی جدوجہد فرماتے رہے، قرآن شریف کی تعلیم کیلئے وہاں تقریباً ایک سو مکاتب قائم کئے جن کی مالی امداد میں حضرت تھانویؒ نے کافی حصہ لیا، بحمد اللہ یہ کوششیں کامیاب ہوئیں، اس جدوجہد میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی معیت بھی حاصل رہی، جس پر حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے والا نامہ میں بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔

صوبۂ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت کے خلاف نافذ تھا، مثلاً بہن اور بیٹی کو حصہ نہیں دیا جاتا تھا، مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے اچھے خاصے دیندار مسلمان بھی حصہ نہ دیتے تھے، حضرت حکیم الامتؒ کو اطلاع ملی تو مفتی صاحبؒ کو دومرتبہ پنجاب کے دورے پر بھیجا کہ وہاں شرعی قانون کی نشر واشاعت کریں، اور اس غیر شرعی قانون کو تبدیل کرانے کے لئے وہاں کے بااثر لوگوں کو آمادہ کریں، حضرت مفتی صاحبؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ایک رسالہ ''غصب المیراث'' بھی تالیف فرمایا، جو ایک سفر میں ریل میں بیٹھے بیٹھے چند گھنٹوں میں تحریر فرمایا تھا حضرت حکیم الامتؒ نے یہ رسالہ دومرتبہ چھپوا کر بذریعہ ڈاک تقسیم فرمایا، ان مساعی کا اثر یہ ہوا کہ سفر پنجاب ختم ہونے سے پہلے ہی لوگوں نے قانون بدلنے کیلئے سعی شروع کردی جس کے کچھ اثرات پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں ظاہر ہوئے کہ قانون میں کسی قدر اصلاحات شرعی ضابطوں کے مطابق کردی گئیں۔

غالباً ۱۳۴۶ھ یا ۱۳۴۷ھ میں ریاست انور میں دینی تعلیم کے تمام چھوٹے بڑے مدارس حکومت نے یک قلم بند کردیئے تھے، دہلی میں بھی جبریہ تعلیم کی وجہ سے قرآنی مکاتب کو حکماً توڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، وہاں گیارہ مکتب ٹوٹ چکے تھے، حضرت حکیم الامتؒ نے اس حکم کو منسوخ کرانے اور متعلقہ قانونی چارہ جوئی کے لئے دہلی بھیجا، مفتی صاحبؒ کی لگاتار جدوجہد سے بحمد اللہ کامیابی ہوئی اور اس کے بعد کوئی مکتب بند نہ کیا جاسکا، دوسرے مقامات پر بھی دہلی کی کوششوں کے بڑے مفید نتائج برآمد ہوئے۔

آپ تحریک قیام پاکستان کے پرزور حامی تھے، اس زمانہ میں حضرت حکیم الامتؒ نے جو وفود قائداعظم کے پاس بغرض تبلیغ ومشورہ بھیجے، ان میں آپ کو بھی شریک کیا گیا تھا۔

مفتی صاحبؒ کو مناظرے کا ملکہ بھی خوب حاصل تھا، حیدرآباد سندھ اور انبالہ (پنجاب) میں مرزائیوں سے آپ کے دومناظروں کی روئداد ''بزم اشرف کے چراغ''، میں نقل کی گئی ہے جن میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

کئی بلند پایہ تصانیف آپ کی صدقہ جاریہ ہیں جو بیشتر حکیم الامتؒ کی رہنمائی اور فرمائش پر لکھی گئی ہیں، اور سب کا تعلق فقہ وفتویٰ سے ہے۔ چند تصانیف یہ ہیں:۔

(۱) الحیلۃالناجزۃ: ہندوستان میں شرعی قاضی مقرر نہ ہونے کی وجہ سے شادی شدہ عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا ہو رہا تھا، حضرت حکیم الامتؒ نے ان مسائل میں شدید ضرورت کی بنا پر مالکی مسلک اختیار فرمایا اور ان مشکلات کے حل کی بہت آسان صورتیں تجویز فرمائیں، جو کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں بیان کی گئیں، یہ ایک لحاظ سے اجتہادی نوعیت کا کارنامہ تھا، کئی سال تک فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی پوری تفصیلات نہایت احتیاط اور دقت نظر سے جمع کر کے نکالے گئے، اس پورے کام میں حکیم الامتؒ نے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کو اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریمؒ کو اول سے آخر تک شریک رکھا، درحقیقت یہ کتاب ان تینوں بزرگوں کا مشترک کارنامہ ہے، مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کتاب کی تالیف کے دوران حضرت حکیم الامتؒ نے ایک مرتبہ اظہار خوشنودی اور حوصلہ افزائی کے لئے ہم دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دونوں میرے لئے بمنزلہ عینین ہو (عربی زبان میں ''عینین'' دو آنکھوں کو کہتے ہیں) ایک کے اول میں عین ہے (یعنی عبدالکریم) اور ایک کے آخر میں عین ہے (یعنی محمد شفیع)۔ اس کتاب کی تحقیق وتصنیف کے دوران حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ کئی کئی ہفتے دیوبند میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے پاس قیام فرماتے، دونوں بزرگ شب وروز ان پیچیدہ مسائل میں غور وفکر اور تبادلۂ خیالات فرماتے تھے، بحمد اللہ یہ کتاب طبع ہو کر اتنی مقبول ہوئی کہ عورتوں کی مذکورہ مشکلات میں اب ہر حنفی دارالافتاء سے فتویٰ اس کتاب کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

(۲) تتمۃ إمدادالأحکام: یہ انہی ۱۵۰ فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو ''امداد الاحکام'' کا جز بن کر دارالعلوم کراچی سے شائع ہوئے ہیں۔

(۳) المختارات: اس میں خیار بلوغ وغیرہ کے مفصل احکام موجودہ ضرورتوں کے مطابق لکھے گئے ہیں، یہ رسالہ ''**الحیلۃ الناجزۃ**'' کا جز بن کر شائع ہوا ہے۔

(۴) وفاق المجتہدین عن وفاق المجتہدین: اس میں ''حیلہ ناجزہ'' پر ہونے والے بعض علمی اشکالات کو رفع کیا گیا ہے۔

(۵) تجدد اللمعۃ فی تعدد الجمعۃ: اس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے شہر میں نماز جمعہ کے اجتماعات ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔

(۶) القول الرفیع فی الذب عن الشفیع: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالہ ''**غایات النسب**'' پر بعض لوگوں نے اعتراضات کئے اور فتنہ برپا کر دیا، تو حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس میں ان اعتراضات کا علمی جواب دیا گیا ہے۔

(۷) ترجمہ نصوص خطبات الأحکام: حضرت حکیم الامتؒ کی مشہور تالیف **''خطبات الأحکام''** جو بکثرت آیات واحادیث پر مشتمل ہے، مفتی صاحب مرحوم نے اس رسالہ میں ان آیات واحادیث کا ترجمہ ضروری افادات کے ساتھ کیا ہے اور بعض احادیث کا اضافہ بھی فرمایا ہے، یہ رسالہ اصل کتاب کے آخر میں عرصہ سے شائع ہورہا ہے۔

(۸) غصب المیراث۔

۱۹۴۸ء میں اپنے اعزہ اور اہل وطن کے ہمراہ ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئے، قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام فرمایا، تقریباً سوا سال بعد یہیں بخار اور اسہال کے عارضہ میں ۹ رجب ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں وفات پائی، کل عمر ۵۳ سال چھ ماہ ۴ دن ہوئی، اسی قصبہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔(۱)

حضرت مولانا قاری مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ:

حضرت مولانا قاری مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ کی پیدائش شوال ۱۳۲۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۰۳ء میں نوساری ضلع سورت، گجرات میں ہوئی، ۱۳۲۹ھ میں اپنے جدامجد حضرت مولانا سید ابراہیم لاجپوریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا مگر ابھی پارہ عم ختم نہیں ہوا تھا کہ جدامجد کا انتقال ہوگیا، پھر اپنے والد بزرگوار اور عم بزرگوار حافظ حسام الدین قادری سے حفظ قرآن مکمل کیا، اسی دوران گجراتی اسکول میں درجہ اولیٰ کی تکمیل بھی کی، اور کچھ عرصہ جامعہ اشرفیہ راندیر کے درجۂ حفظ میں بھی داخلہ لیا، امور خانہ داری کی کچھ ذمہ داریاں اور ان کی مشکلات تھیں جو اس طرح منتقل کرتی رہیں اور اگر جذبۂ صادق کی دستگیری اور فضل خداوندی نہ ہوتا تو اس صغرسنی میں طالب علم کی شاہراہ پر گامزن رہنا مشکل تھا خصوصاً جبکہ اسی دوران شادی بھی ہوگئی تھی۔ ان کے والد صاحب کی کوشش سے نوساری میں مدرسہ محمدیہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور والد محترم نے سلسلۂ درس شروع کیا، تو مولانا موسیٰ بھیات اور یوسف میمن وغیرہما کے ساتھ آپ بھی مدرسہ میں درجۂ فارسی کے طالب علم بنے، آپ کی قرأت بہت اچھی تھی، اس لیے نوساری کے لوگوں نے امامت آپ کے سپرد کردی، اس دوران تعلیمی سلسلہ جاری تھا، حضرت مولانا محمد حسین صاحب اور حافظ موٹا صاحب نے آپ کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے آپ کو راندیر بلالیا اور وہاں کی مسجد کا امام مقرر کیا، وہیں مدرسہ محمدیہ عربیہ جامعہ حسینیہ راندیر میں درسیات کی تکمیل کی، ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں جب حضرت مولانا انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کی صدارت میں جامعہ کا چودھواں سالانہ اجلاس ہوا تو جامعہ کی طرف سے سند فراغت ملی۔

فرائض امامت کا پورا احساس رہا، جس کی وجہ سے درسی کتابوں کے علاوہ مسائل کی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا، اللہ تعالیٰ نے حافظہ بہتر عطا فرمایا تھا، چنانچہ اس دور میں بہت سے مسائل کے حافظ بن گئے، درس نظامی کا سلسلہ شروع

(۱) امداد الاحکام: ۱/۱۰۶-۱۱۰۔

ہوا تو اساتذہ کی نگرانی میں فتاویٰ لکھنے کا کام بھی شروع کر دیا، مشفق استاذ مولانا حسین صاحب آپ کو سوالات دیدیا کرتے تھے، توجہ اور تحقیق کے بعد جواب لکھتے تھے۔ افتا کے ساتھ درس قرأت کی خدمت بھی سپرد کی گئی۔ آپ کے فتووں کو ہندوستان کے علمی مراکز میں نمایاں مقام حاصل ہوا۔ آپ نہ صرف تحریر اور فتویٰ کے لحاظ سے بلکہ عملی طور پر رد بدعات میں پیش پیش رہے، نوساری، سورت وغیرہ مقامات سے رسم ورواج کو دور کرنے میں کافی زحمت اٹھائی اور بڑی استقامت اور ثابت قدمی سے کام لیا۔(۱)

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی علیہ الرحمۃ:

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی پیدائش ۵رمئی ۱۹۱۲ء مطابق ۹رجمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ کو مونگیر میں ہوئی اور اسی (۸۰) سالہ تعمیری اور تحریکی زندگی گذارنے کے بعد ۱۹رمارچ ۱۹۹۱ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ تین سال کی عمر سے والد صاحب نے اپنے ساتھ رکھنا شروع کر دیا اور سفر وحضر موقع بہ موقع آپ کی تربیت کرتے رہے، ۱۹۱۶ء میں تعلیم کی ابتدا ہوئی خود والد محترم سے قرآن کے ذریعہ تعلیم کی ابتدا کی، پھر ان کا داخلہ ''انجمن حمایت اسلام'' دلاور پور، مونگیر میں کرایا، یہاں آپ نے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۳ء تک تعلیم حاصل کی، پھر والد مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے ہمراہ حیدرآباد روانہ ہوئے وہاں ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۴ء تک قیام رہا، اور مولانا عبداللطیفؒ صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کی نگرانی میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں بغرض تعلیم بھیجا۔ وہاں آپ نے چار سال تک تعلیم حاصل کی اس چار سالہ قیام کے دوران آپ کو وقت کے تمام بڑے علماء کرام مثلاً مولانا حیدر حسن خان، مولانا محمد شبلی متکلم، مولانا عبدالودود اعظمی، مولانا عبدالرحمٰن نگرامی، مولانا حفیظ اللہ وغیرہ رحمہم اللہ سے استفادہ کا موقع ملا، دوران قیام ہی والد کا سایہ اٹھ گیا، عالمیت کے بعد آپ وطن واپس آئے، ۱۹۲۹ء میں گھر کے لوگ حج پر جا رہے تھے ان کے ساتھ آپ نے محض ۱۷ رسال کی عمر میں اپنا پہلا حج کیا۔ آپ برادر بزرگ مولانا لطف اللہ رحمانیؒ کی ہدایت پر ۱۹۳۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں اپنی تعلیمی تکمیل کے لیے داخل ہوئے اور دورۂ حدیث مکمل کیا، یہاں آپ نے مولانا خلیل الرحمٰن، مولانا مفتی شفیع عثمانی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا اصغر حسین رحمہم اللہ سے استفادہ کیا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے وطن تشریف لائے اس وقت آزادی کی جنگ عروج پر تھی، اس میں انہوں نے اکابر علما کے ساتھ حصہ لیا، ۱۹۳۷ء میں جب بہار اسمبلی کا پہلا الیکشن ہوا تو اس میں مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کی طرف سے حضرت مولانا محمد سجاد علیہ الرحمہ کی ایماء پر آپ نے الیکشن میں حصہ لیا اور کامیاب ہو کر اسمبلی کے ممبر بنے، اس دور میں انہوں نے اوقاف پر ٹیکس کے خلاف خصوصی بحث کی اور آپ کو اس موضوع پر کامیابی ملی۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ نے

(۱) مقدمۂ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول، ص: ۵،۴۔

''جامعہ رحمانی'' کو اپنی زندگی کے آخری سال ۱۹۲۷ء میں قائم کیا تھا، ان کی زندگی میں ''جامعہ رحمانی'' بمشکل چھ ماہ چلا، پھر ان کے صاحبزادے مولانا لطف اللہ رحمانیؒ نے اس کو جاری رکھنے کی کوشش کی، مگر ۱۵؍جنوری ۱۹۳۴ء کے زلزلہ میں خانقاہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا جس کے سبب مدرسہ کو بند کردینا پڑا، ۱۹۴۲ء میں حضرت مولانا لطف اللہ رحمانیؒ کے انتقال کے بعد آپ ''خانقاہ رحمانی'' کے سرپرست اور سجادہ نشیں منتخب ہوئے، اور اسی سال جامعہ رحمانی کی از سرے نو ابتدا کی، ۱۱؍نومبر ۱۹۵۹ء میں ''جامعہ رحمانی'' کی باضابطہ عمارت کی بنیاد ڈالی گئی۔ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، ۲۷؍مارچ ۱۹۵۷ء میں ''امارت شرعیہ بہار واڑیسہ'' کے امیر شریعت بنائے گئے، آپ نے ''امارت شرعیہ'' کو منظّم کرنے میں اپنی پوری صلاحیت صرف کردی، جگہ جگہ دارالقضاء قائم کیا، ''امارت شرعیہ'' اور مونگیر میں دارالافتاء قائم کروائے۔ ۸؍اپریل ۱۹۷۳ء میں آندھرا پردیش کی راجدھانی حیدرآباد میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' بنایا گیا اور مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو بورڈ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا اور آپ جنرل سکریٹری قرار پائے، آپ ہی اصلاً ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے بانی ہیں۔ حضرت مولانا کی زندگی میں ادارہ اپنی خدمات کے لحاظ سے کل ہند سطح پر نمایاں ہوا، جس وقت آپ امیر شریعت منتخب ہوئے ''امارت شرعیہ'' کا دفتر ''خانقاہ مجیبیہ'' پھلواری شریف کے ایک کمرے میں تھا، ایک عمارت حاصل کرکے دفتر کو وہاں منتقل کیا گیا، پھر لب سڑک سرکاری زمین حاصل کرکے اس پر عمارت کی بنیاد ڈالی اور عمارت کی تعمیر ہوئی۔

آپ تصنیف وتالیف کا خاص ذوق رکھتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دوران تعلیمی ہند کے نام سے جو کتاب لکھی وہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی، ۱۹۳۷ء میں بہار اسمبلی میں ''اسلامی اوقاف'' پر محصول لگائے جانے کے خلاف ایک تحریری خطاب کیا جو بعد میں کتابچہ کی شکل میں شائع ہوئی، ۱۹۳۸ء میں ''ہندوستان کی صنعت وتجارت'' نامی کتاب لکھی، ۱۹۳۹ء میں ''مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی'' بہار کی جانب سے ہفت روزہ اخبار ''الہلال'' پٹنہ جاری ہوا اور مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ نے آپ کو مدیر بنایا، ۱۹۵۰ء میں منکرین حدیث کے فتنہ کے سدباب کے لیے کتابت حدیث نامی رسالہ لکھا، ۱۹۵۴ء میں مدارس اسلامیہ کے نصاب کے لیے نصاب جدید مرتب کیا، ۱۹۵۸ء میں ''خانقاہ رحمانی'' میں تربیت قضا کے ہفت روزہ پروگرام میں بلاعنوان ایک مقالہ پڑھا جسے بعد میں ''قضا کی شرعی اور تاریخی اہمیت'' کے نام سے کتابی شکل دی گئی، جمال عبدالناصر صدر مصر، کی درخواست پر مصر کے سفر سے واپسی پر ''سفر مصر وحجاز'' لکھا، اسلامک اسٹڈیز سرکل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے مسلم پرسنل لا کے موضوع پر دو روزہ سیمینار میں مسلم پرسنل لا کے عنوان سے تقریر کی جو کتابی شکل میں شائع ہوئی، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی وفات کے بعد مولانا کے مکتوبات کو اکٹھا کرکے اس کو ''مکاتیب گیلانی'' کے نام سے شائع کیا، ۱۹۷۱ء میں ''نسبت اور ذکر وشغل'' نام سے کتابچہ جامعہ رحمانی سے شائع ہوا، ۱۹۷۳ء میں ''قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل'' نامی کتاب شائع ہوئی، ۱۹۷۴ء میں ''متبنّیٰ بل

ایک جائزہ'' شائع ہوا،۱۹۷۴ء میں ہی ''مذہب، اخلاق اور قانون'' نامی رسالہ شائع ہوا، مسلم پرسنل لا کی افادیت و اہمیت پر ''مسلم پرسنل لا کا مسئلہ نئے مرحلہ میں'' نامی کتابچہ شائع ہوا، ۱۹۷۵ء میں ''خاندانی منصوبہ بندی'' کتاب شائع ہوئی، ۱۹۷۷ء میں ۱۵؍صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ''تحفظ دین کا منصوبہ'' تحریر کیا، مسلمانوں کو ''یونیفارم سول کوڈ'' کے تصور سے واقف کرانے کے لیے کتاب لکھی، ۱۹۷۹ء میں ''مسلم پرسنل لا بحث ونظر کے چند گوشے'' کے موضوع پر تحریر شائع کی گئی اور مفت تقسیم بھی ہوئی، ۱۹۸۷ء میں ''نکاح وطلاق'' نامی کتابچہ لکھا، ۱۹۸۸ء میں ''حج کے روحانی، اخلاقی اور اجتماعی اثرات'' کے نام سے کتابچہ تحریر کیا، دارالعلوم دیوبند کی جانب سے تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر دوروزہ کانفرنس میں ''فتنۂ قادیانیت اور مولانا محمد علی مونگیری'' کے نام سے مقالہ پڑھا جو بعد میں شائع ہوئی، ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کی متفقہ رائے سے فقہ اسلامی کی تدوین کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی آپ نے ''اسلامی قانون'' کا مسودہ اپنی نگرانی میں علماء کرام سے تیار کروایا جواب مسلم پرسنل لا بورڈ سے شائع ہو چکا ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کی اہمیت وافادیت پر ''مسلم پرسنل لا، زندگی کی شاہرہ'' نامی کتابچہ کے ذریعہ عوام وخواص کو واقف کرایا۔

فقہ اور اصول فقہ سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، خانقاہ رحمانی کے اندر مولانا نے ۲۰؍سال تک فتویٰ نویسی کی اہم خدمات انجام دی، آپ کے فتووں میں خاص بات یہ تھی کہ وہ فقہا کی کتابوں کے ساتھ قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرتے اور مسائل کا حل پیش کرتے، جس سے جدید مسائل کے جواب میں آسانی ہوتی تھی۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد یاسین مبارکپوری رحمہ اللہ:

حضرت مولانا مفتی محمد یاسین مبارکپوری رحمہ اللہ کی ولادت یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۴؍فروری ۱۹۰۷ء کو پرانی بستی مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی میں ہوئی، والد صاحب کا نام عبدالسبحان مرحوم تھا۔ ابتدائی تعلیم پرانی بستی کے مایہ ناز عالم مولانا عبدالرحمٰن بن حاجی محمد قاسم مرحوم سے حاصل کی، قرآن شریف مولانا محمد سعید مرحوم صوفی سے پڑھا، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخلہ لیا، وہاں عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد تقریباً پانچ سال تک مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں تعلیم حاصل کی، ۶؍شوال ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ تین سال کے بعد شعبان ۱۳۴۵ھ میں سند فراغت حاصل کی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ آپ کے خاص اساتذہ ہیں۔

فراغت کے بعد مفتی صاحبؒ تدریسی خدمات کے سلسلہ میں ماہ پنڈ اداون خان (پنجاب) میں رہے مگر دور دراز علاقہ اور سفر کی صعوبت کی وجہ سے مبارکپور کے قریب ہی موضع ابراہیم پور میں مدرسی قبول کر لی، پھر مولانا شکر اللہ صاحب مرحوم نے ۱۳۴۹ھ میں احیاء العلوم بلالیا۔ یہاں ابتدائی عربی سے لے کر دورۂ حدیث تک کی کتابیں

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے امیر شریعت رابع حیات وخدمات، ہمارے امیر، حیات رحمانی وغیرہ۔

پڑھائیں اور فتویٰ نویسی کا کام بھی کیا۔

مفتی صاحبؒ بڑی تحقیق وتدقیق کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے، جزئیات پر کافی عبور تھا، زبانی جواب دینے کے بعد فوراً کتاب نکال کر دکھایا کرتے تھے، فتویٰ دینے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، اگر کسی استفتا میں شبہ پیدا ہوتا تو بار بار تنقیح فرماتے تا کہ ہر پہلو سامنے آجائے اس کے بعد جواب دیتے تھے۔ مفتی صاحبؒ کے پاس استفسار مسائل کے لیے آنیوالوں میں ہر مسلک وعقیدہ کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ ۵۵/سال تک احیاء العلوم سے منسلک رہے۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ احیاء العلوم'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

آخر عمر میں ضعف اور اسہال کی شکایت ہوگئی، وفات سے چند ماہ قبل آنکھ کا آپریشن کرایا تھا۔ ۲۲/محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹/اکتوبر ۱۹۸۳ء جمعہ وشنبہ کی درمیانی رات میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ (۱)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی ولادت ۹/جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ جمعہ کی شب گنگوہ میں ہوئی، والد کا نام حاجی خلیل ہے، سلسلۂ نسب میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ابتدا میں مولانا امتیاز حسین اور اپنے والد صاحب سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم میں علم الصیغہ کی جماعت (عربی دوم) میں داخلہ لیا اور جلالین (عربی ششم) تک تعلیم حاصل کی، جلالین اور حماسہ مولانا اسعد اللہ صاحب سے پڑھی، درمیان میں طبیعت دوبارہ خراب ہوگئی، اس لیے تعلیم میں کچھ وقفہ بھی ہوگیا۔ ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، دارالعلوم دیوبند میں تین سال رہے اور ۱۳۵۰ھ میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ اپنے والد صاحب کی خواہش پر اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی اجازت سے مزید بزرگوں سے نسبت حاصل کرنے کے لیے دوبارہ مظاہر علوم تشریف لے گئے اور دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں، ۱۳۵۱ھ میں جب مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ سے شرح عقود رسم المفتی پڑھ رہے تھے اور فتاویٰ نویسی کی تربیت بھی پا رہے تھے اس وقت وہاں کے دارالافتاء میں کچھ شخصیات کی کمی ہوگئی تو حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خواہش پر دارالافتاء میں معین مفتی کی حیثیت سے رکھ لیا گیا، دوسرے سال دارالافتاء کا نائب مفتی بنا دیا گیا اور اس منصب پر تقریباً بیس سال رہے، مگر تواضع کی حد یہ تھی کہ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ معین مفتی ہی لکھا، کبھی نائب مفتی نہیں لکھا۔ طبیعت اکثر خراب رہا کرتی تھی، طالب علمی میں بھی بہت بیمار رہا کرتے تھے اور فراغت کے بعد بھی، چنانچہ مظاہر علوم کے اس قیام کے زمانہ میں طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی، اس لیے ڈاکٹروں نے آب وہوا کی تبدیلی کا مشورہ دیا، چنانچہ مظاہر علوم سے مستعفی ہوکر گھر تشریف لے آئے، پھر ۱۳۷۳ھ میں جامع العلوم کانپور بھیج دیا گیا تا کہ آب وہوا بھی بدل جائے اور ایک ضرورت خدمت بھی انجام پاسکے، وہاں

(۱) مقدمہ فتاویٰ احیاء العلوم مبارکپور: ۴۰/تا ۴۸۔

مدرسین کی کمی کی وجہ سے ایک دن میں چودہ چودہ اسباق پڑھاتے تھے اور ساتھ ہی افتا کی خدمت اور اصلاح کا کام بھی کرتے تھے، اس طرح تقریباً بارہ سال وہاں خدمت انجام دی، جامع العلوم کانپور میں قیام کے دوران کئی بار مظاہر علوم سے تقاضہ آیا کہ مظاہر علوم آجائیں، ادھر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں بعض اکابر کے رخصت ہوجانے کی وجہ سے جگہ خالی ہوگئی تھی اور کسی اچھے مفتی کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اس لیے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں نے بھی یہاں آنے کے لیے اصرار کیا، اس طرح ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۱۹۶۵ھ کو دار الافتاء دارالعلوم میں صدر مفتی کی حیثیت سے کام شروع فرمایا۔ دارالعلوم کے قیام کے زمانہ میں شیخ الحدیث مولانا فخر الدین صاحبؒ کا اصرار تھا کہ بخاری کا بھی درس دیں، لیکن اس سے کتراتے رہے، تاہم جب مولانا فخر الدین صاحبؒ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۳/اگست ۱۹۶۸ھ کو بخاری جلد ثانی کا درس بھی متعلق ہوگیا اور تقریباً بارہ سال بخاری جلد ثانی کا درس دیا، پھر ۱۴۰۲ھ کو مظاہر علوم میں قیام منظور فرمالیا اور وہاں صدر مفتی کی حیثیت سے تقرر ہوگیا، اس دوران فتاویٰ نویسی اور دارالافتاء کی نگرانی کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فتاویٰ کی ترتیب کا بھی کام کیا اور فقہ واصول فقہ اور حدیث کی بعض کتابوں کا درس بھی متعلق رہا نیز حضرت شیخ کے ہجرت فرماجانے کی وجہ سے بیعت وارشاد کا کام بھی کرتے تھے تاہم اس قیام کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند سے رشتہ بالکل ٹوٹا بھی نہیں تھا بلکہ دارالعلوم دیوبند کی نئی انتظامیہ کی خواہش پر دارالعلوم کے دارالافتاء کی بھی نگرانی فرماتے رہے اور ہفتہ میں ایک دن اپنے کو دارالعلوم کے دارالافتاء کے لیے فارغ کرلیا تھا۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا جب وصال ہوگیا تو مظاہر علوم میں بھی وہی کچھ دیکھنے کو ملا جس کے نظارہ کی تاب نہ لاکر دارالعلوم دیوبند کو خیرآباد کہا تھا، چنانچہ اس قضیہ کی وجہ سے مظاہر علوم سے علاحدہ ہوگئے ادھر دارالعلوم والے واپس لانا چاہ ہی رہے تھے اس لیے مظاہر علوم سے علاحدگی کے بعد باضابطہ دارالعلوم کی انتظامیہ نے یہاں آنے کی خواہش کی جسے قبول کرلیا اور دوبارہ اس مسند پر آگئے جس کو آپ کا شدت سے انتظار تھا اور تقریباً اٹھارہ سال مسلسل یہاں خدمت انجام دی، یہاں فتاویٰ نویسی کا کام بھی کرتے تھے، افتا کے طلبہ کی تربیت بھی کرتے تھے، حدیث اور افتا کی بعض کتابوں کا سبق بھی پڑھاتے تھے اور بیعت وارشاد کا کام بھی جاری تھا۔

اللہ نے مختلف علوم وفنون میں مہارت اور درک سے نوازا تھا، تدریس، اصلاح، مناظرہ، سلوک وغیرہ مختلف جہات میں دین محمدی اور امت محمدیہ کی خدمت انجام دی، تاہم سب سے نمایاں خدمت ''خدمت افتا'' ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ افتا کی خدمت طالب علمی ہی سے شروع کردی تھی کیوں کہ جس وقت مظاہر علوم میں رسم المفتی پڑھ رہے تھے اور فتاویٰ نویسی کی تربیت پارہے تھے اسی وقت وہاں کا معین مفتی بھی بنادیا گیا تھا اور اپنے اساتذہ کی نگرانی میں استفتا کے جواب لکھنے لگے تھے پھر بیس سال تک مظاہر علوم میں نائب مفتی کی حیثیت سے کام کیا، پھر جب کانپور گئے تو وہاں بھی

دوسرے کاموں کے علاوہ نمایاں طور پر بارہ سال تک افتا کی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد دار العلوم دیوبند جیسے فقہ وفتاویٰ کے مرکز نے صدر مفتی کی حیثیت سے مدعو کیا اور درمیان میں معمولی وقفہ کے ساتھ ۱۸؍سال اس عظیم منصب پر فائز رہے اور پورے ہندوستان بلکہ بیرون ہند سے بھی آئے استفتا کے جوابات تحریر فرماتے تھے، درمیانی وقفہ میں مظاہر علوم میں دوبارہ صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دی، غرض نصف صدی سے زیادہ (۶۶؍سال) افتا کی خدمت انجام دی اور اپنے گہر بار قلم سے تقریباً دس ہزار استفتاءات کے جواب تحریر فرمائے اس لیے بجا طور پر دنیا فقیہ الامت کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

فقہ وفتاویٰ میں اس درجہ مہارت تھی کہ کانپور کے قیام کے زمانہ میں بعض فتاویٰ مظاہر علوم سے بھیجے جاتے تھے اور کانپور سے جواب لکھ کر روانہ کرتے تھے نیز خواہش کی گئی تھی کہ رمضان کی فرصت میں مظاہر علوم تشریف لے آیا کریں اور یہاں فتاویٰ کے رجسٹر دیکھ لیا کریں اور جہاں کہیں سقم رہ گیا ہو اس کی نشان دہی کردیں، اسی طرح مظاہر علوم کے قیام کے زمانہ میں ہفتہ میں ایک دن دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کی دیکھ بھال کے لیے دیوبند بلایا جاتا تھا اور جب دار العلوم دیوبند میں تھے تو مظاہر علوم کے دار الافتاء کی نگرانی متعلق تھی اور وہاں کے مفتیان کو ہدایت کی گئی تھی کہ کوئی بھی اہم فتویٰ مفتی صاحب کو دکھائے بغیر اور ان سے دستخط کرائے بغیر نہ بھیجا جائے، کسی بھی استفتا کا جواب بڑی محنت اور عرق ریزی سے دیا کرتے تھے ان کے فتاویٰ پر اکابر کو بہت اعتماد تھا خاص کر حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ اعتماد فرماتے تھے اور آپ کو ''میرے مفتی صاحب'' کہا کرتے تھے اور کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ہی سے رائے لیتے تھے۔

مفتی صاحبؒ انتہائی ذکی اور عبقری شخصیت کے مالک تھے، قوت حافظہ، ذہانت، حاضر جوابی اور حاضر دماغی کی مثال دی جاتی تھی، قرآنی آیات اور احادیث کے علاوہ سیکڑوں واقعات، کہانیاں، لطائف اور اشعار کے فقہی عبارات اور جزئیات بھی زبانی نقل فرمادیتے تھے اور ایک مفتی کے اندر جتنے علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام علوم آپ میں موجود تھے، درس اور مسئلہ کے بیان کے دوران بھی عام طور پر گفتگو میں مزاج کا عنصر ضرور ہوتا تھا جس کی وجہ سے آپ کے بارعب اور وجیہ ہونے کے باوجود آپ سے استفادہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی تھی اور بحث ومناظرہ میں تو حاضر جوابی کے سینکڑوں واقعات ہیں۔

فتاویٰ لکھنے کا کیا طریقہ تھا اور فتاویٰ نویسی میں کن کن باتوں کا خیال رکھتے تھے ان کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاتا تھا۔

(۱) عموماً جواب انتہائی مختصر لکھا کرتے تھے اور خط بہت ہی پاکیزہ رہتا تھا لیکن اگر استفتا علما کی طرف سے آیا ہو تو اس کا جواب مفصل اور مدلل لکھتے تھے۔

(۲) جواب ایسی قیود وشرائط کے ساتھ لکھتے تھے کہ کسی لفظ پر کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہ ہو اور حکومت یا غلط

لوگ جواب کی عبارت سے غلط فائدہ نہ اٹھاسکیں۔

(۳) جواب لکھنے میں صرف اصول پر اکتفا کرنے کے قائل نہیں تھے بلکہ جب تک فقہی جزئیہ نہ مل جائے اس وقت تک فتویٰ نہیں لکھتے تھے اور اس میں بڑی مہارت تھی، یہاں تک کہ اگر کوئی جزئیہ کسی غیر متعلق باب میں ضمناً آ گیا ہے تو اس کا محل وقوع آپ کو معلوم ہوتا تھا۔

(۴) فقہ حنفی میں تصلب سے کام لیتے تھے، آزادانہ یا اپنی طرف سے رائے دینے سے بہت کتراتے تھے اور اس کو برا سمجھتے تھے۔

(۵) فتاویٰ لکھنے میں مسائل کے صرف الفاظ نہیں دیکھتے تھے بلکہ اس کے مقصد کو بھی سامنے رکھتے تھے اور اس کے لیے اگر سوال سے ہٹ کر کوئی مفید پہلو ہو تو اس کی بھی نشان دہی کر دیتے تھے۔

(۶) سوال اگر غیر شرعی ہو یا فتنہ پردازی کے لئے کیا گیا ہو تو اس کا اندازہ کر کے جواب سے معذرت کر دیتے تھے یا اگر مبہم سوالات ہوں تو کبھی جواب سے معذرت کر دیتے اور کبھی جواب لکھ کر یہ عبارت بھی لکھ دیتے تھے کہ مبہم سوالات کر کے جوابات کو کسی پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجب فتنہ بھی ہوسکتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے۔

(۷) اگر سوال طویل ہوتا جس میں غیر ضروری باتوں کا اختلاط ہوتا تو پہلے اس سوال کا مختصر الفاظ میں خلاصہ نکالنے کے بعد یہ لکھتے تھے کہ اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے تو اس کا حکم اس طرح ہے۔

(۸) جواب پوری یکسوئی کے ساتھ لکھتے تھے جواب لکھنے کے دوران کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے اور کسی نے گفتگو کرنا چاہا یا سلام بھی کیا تو آپ کو ناراضگی ہوتی تھی۔

(۹) کوشش ہوتی تھی کہ دار الافتاء کے الگ الگ مفتیوں کے قلم سے لکھے گئے جوابات میں اختلاف نہ ہو اس کے لیے آپ نے ایک دوسرے کو جواب دکھانے کا معمول قائم فرمایا تھا۔

(۱۰) جواب لکھنے اور جلد روانہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اس میں تاخیر اور ٹال مٹول برداشت نہیں ہوتی تھی الا یہ کہ کوئی سوال پیچیدہ اور وقت طلب ہو، چنانچہ ایک مرتبہ اچانک آپ کا سفر طے ہو گیا تو پوری رات بیٹھ کر جواب لکھتے رہے اور صبح تک سارے سوالات کے جوابات لکھ کر سفر پر گئے۔

طویل علالت اور کئی مرتبہ آنکھ اور دل کے آپریشن کے بعد افریقہ کے سفر پر تھے وہیں ناٹال کے شہر ڈربن میں ۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ (۱؍ستمبر ۱۹۹۶ء) منگل کی شب ساڑھے سات بجے (ہندوستانی وقت کے مطابق ۱۸؍ربیع الثانی ساڑھے دس بجے) اس دار فانی سے کوچ کر گئے، نماز جنازہ سے متعلق لوگوں کی خواہش تھی کہ مولانا ابراہیم صاحب پڑھائیں مگر وہ شدت غم سے اتنے نڈھال تھے کہ نماز پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوئے چنانچہ ہندوستان سے گئے

معروف عالم دین مولانا ابوالقاسم بنارسی (موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہیزل دین سے تین کیلومیٹر فاصلہ پر ''ایکسبرگ'' کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جنازہ میں تقریباً دس ہزار فرزندان توحید نے شرکت فرمائی۔

علمی وقلمی سرمایہ میں سب سے اہم فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جن کو مولانا فاروق صاحب نے مرتب کیا ہے اور مولانا سلیم اللہ خاں صاحب کی سرپرستی میں دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی (پاکستان) کے ارباب افتا نے بڑی محنت اور قابلیت کے ساتھ اس کی نئی تبویب اور تخریج وتعلیق کا کام کیا اور ادارہ صدیق ڈابھیل سے ۲۰؍جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی جن میں نو ہزار آٹھ سو پچاسی (۹۸۸۵) استفتاءات اور بارہ ہزار پانچ سو ستتر (۱۲۵۷۷) مسائل ہیں۔(۱)

حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی رحمہ اللہ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں اندرا ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں اپنے گاؤں ہی میں پرائمری کی چوتھی کلاس پاس کیا، لیکن انگریزی تعلیم میں جی نہیں لگا اور گھر والوں کے سامنے دینی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی، والد ماجد نے بڑی کوشش کی کہ انگریزی تعلیم ہی حاصل کریں کیوں کہ خاندان میں تقریباً چھ پشت سے کوئی عربی داں نہیں تھا اور نہ عربی مدارس سے کسی کو واقفیت تھی۔

۱۳۴۲ھ میں آپ کی خالہ اپنے ہمراہ قصبہ مبارکپور (اعظم گڑھ) لے گئیں اور مدرسہ احیاء العلوم میں داخلہ کروادیا، مدرسہ احیاء العلوم میں دیوبند کے فاضل کئی مدرسین تھے، حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی وہیں مدرس تھے، ان سب سے خوب استفادہ کیا، مدرسہ احیاء العلوم میں ابتدائی تعلیم کے بعد تین سال بہار شریف مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم حاصل کی پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری تشریف لے گئے اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد پانچ سال مدرسہ جامع العلوم جین پور (اعظم گڑھ) میں تدریس کی خدمت انجام دی، اس کے بعد مدرسہ جامع العلوم محلّہ دھمال گورکھپور تشریف لے گئے اور وہاں تین سال تدریس سے وابستہ رہے، پھر اپنے شیخ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے حکم پر دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن آ گئے اور تقریباً پچیس سال تک یہاں درس وتدریس اور افتا کی خدمات انجام دی، پھر اپنے شیخ ہی کے حکم سے رجب ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں افتا کی خدمت کے لئے گئے۔

اللہ رب العزت نے اختراعی ذہن سے نوازا تھا، چنانچہ فتاویٰ نویسی میں احکام کی علتوں اور اسباب پر غور وفکر کے ساتھ زمانے کے عرف ورواج کا خوب لحاظ کرتے تھے اور اصول اسلام کو ان پر منطبق کرتے تھے خاص کر علماء دیوبند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بعد جدید مسائل کے شرعی حل میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۲۹۲؍تا ۳۰۴۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے خاص شاگردوں میں ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے اخص الخاص خادموں میں تھے، دارالعلوم مئوناتھ بھنجن کے قیام کے زمانہ میں افتا کا کام بھی شاہ صاحب ہی کی نگرانی میں کیا کرتے تھے اور شاہ صاحب ہی کے حکم سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، ان سے بیعت بھی تھے اور ان کے مجاز بھی اور علمی وتربیتی مسائل کے علاوہ گھریلو امور میں بھی ان سے مشورہ کو ضروری سمجھتے تھے، شاہ صاحب بھی بہت محبت کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً گھر بھی تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے علمی وقلمی سرمایوں میں سب سے اہم وہ فتاویٰ ہیں جن میں سے خاص مسائل کو منتخب کر کے قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' انڈیا، سے ''**منتخبات نظام الفتاویٰ**'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے، مزید فتاویٰ پر کام جاری ہے۔ ان کے علاوہ ''**فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان**'' کی تبییض کا کام بھی کیا ہے، یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی لکھی ہوئی ہے، شیخ جب ہدایہ پڑھ رہے تھے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید مذہب احناف کی تائید میں حدیث کا سرمایہ نہیں ہے اور جب شیخ نے مشکوٰۃ پڑھی تو ان کے اس خیال کو مزید تقویت پہنچنے لگی، چنانچہ شیخ کا رجحان شافعی مسلک کی طرف ہونے لگا، پھر شیخ نے اس رجحان کا ذکر اپنے استاذ شیخ عبدالوہاب متقی سے کیا، شیخ متقی نے ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے حدیث کی کچھ کتابوں کی طرف نشاندہی کی کہ ان کتابوں کا مطالعہ کرو، چنانچہ جب شیخ محدث دہلویؒ نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا تو ان پر واضح ہوا کہ مذہب احناف کی تائید میں احادیث کا کتنا بڑا سرمایہ ہے، چنانچہ انہوں نے مشکوٰۃ کے طرز پر ایک کتاب تصنیف کی اور اس کا نام ''**أنوار السنة لرواد الجنة**'' رکھا مگر مقصد تصنیف کی وجہ سے ''**فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان**'' کے نام سے شہرت ملی، یہ کتاب حکیم محمود صاحب معروفی کے کتب خانہ میں مخطوطہ کی شکل میں تھی اور کافی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہوگئی تھی اس لیے مفتی صاحبؒ نے ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے حکم سے اس کی تبییض اور مختصر تعلیق کا کام شروع کیا اور تقریباً ڈھائی سال میں اس کو طباعت کے لائق بنایا۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ حدیث وفقہ اور نحو وصرف پر درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائی:

۱۔ **أقسام الحديث في أصول التحديث.**

۲۔ اصول حدیث (اردو ترجمہ)۔

۳۔ رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت۔

۴۔ آسان علم صرف اول (جوار دو میزان کے نام سے مشہور ہے)۔

۵۔ آسان علم صرف دوم (جوار دو منشعب کے نام سے مشہور ہے)۔

۶۔ آسان علم نحو (جوار دو نحو میر کے نام سے مشہور ہے)۔

۷۔ آسان علم نحو عربی (جو معلم سواد خوانی کے نام سے مشہور ہے)۔

اخیر عمر میں سفر حج کا ارادہ فرمایا، یہ سمندری راستہ سے تھا، چنانچہ بحر عرب میں پہنچ کر انتقال ہو گیا، نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد جسد خاکی کو سمندر کے سپرد کر دیا گیا۔(۱)

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمہ اللہ کی پیدائش ۲۱؍شعبان ۱۳۴۶ھ مطابق ۷؍مارچ ۱۹۲۶ء میں ''پورا نوڈیہا' میں ہوئی، یہ گاؤں شہر دربھنگہ سے مشرق کی جانب تقریباً پانچ کیلومیٹر دوری پر ''کملا ندی'' کے کنارے واقع ہے، آپ کے والد کا نام منشی شمس الدین تھا۔

تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں میں میاں جی محمد یوسف کے پاس سے ہوا، اس وقت عمر چار یا پانچ برس کی تھی پھر اپنے چچا زاد بھائی مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ (جو آپ کے بہنوئی بھی تھے اور امارت شرعیہ کے پانچویں امیر شریعت تھے) کے ساتھ ''مدرسہ محمودیہ'' راج پور، نیپال چلے گئے وہاں قرآن پاک کا حفظ شروع کیا لیکن کم عمر بھی تھے اور جسمانی اعتبار سے کمزور بھی، اس لیے درجۂ حفظ سے عربی وفارسی میں داخل کرا دیا گیا، پھر مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ ''مدرسہ محمودیہ'' سے ''مدرسہ وارث العلوم'' چھپرہ منتقل ہو گئے تو اپنے ساتھ مفتی صاحب کو بھی لے آئے، یہ ۱۹۳۳ء کا ابتدائی مہینہ تھا، درمیان سال میں مدرسہ بورڈ کے امتحان کے لیے گھر آ گئے، پھر جب چھپرہ پڑھنے کے لیے گئے تو شرح وقایہ وغیرہ پڑھتے ہوئے نیچے کے درجے کو پڑھانے کے لیے بلا معاوضہ تقرر بھی ہو گیا۔

چھپرہ میں تعلیم کے زمانہ میں یہ طے ہوا کہ اب شوال میں کسی آزاد مدرسہ میں داخلہ لیا جائے اور اس کے لیے ''مدرسہ مفتاح العلوم'' مئو، کا انتخاب ہوا، چنانچہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء کو اپنے ساتھی کے ساتھ ''مفتاح العلوم'' پہنچے اور وہاں داخلہ لے کر تعلیم شروع کی، دو سال کے بعد ۱۹۴۲ء میں جب ہندوستان چھوڑ وتحریک شروع ہوئی تو اس علاقہ میں قائدانہ رول ادا کیا اور آپ کو اس طرح چھپ چھپا کر رہنا پڑا کہ خود آپ کے بقول ''کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو' کے مصداق بن گئے، مجبوراً چند دنوں کی روپوشگی کے بعد گھر واپس آ گئے اور آئندہ سال مدرسہ سے اطلاع آئی کہ ابھی مدرسہ نہیں آنا ہے اس طرح پورا ایک سال روپوشی کی حالت میں گذارنا پڑا، البتہ اس دوران ''مدرسہ حمیدیہ'' گودنا، چھپرہ اپنے استاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کے پاس چلے گئے اور وہاں عالم اکزامنیشن بورڈ کی تیاری کی اور امتحان میں شریک ہوئے اور کامیاب بھی ہوئے، پھر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا خط آیا کہ کہ وارنٹ منسوخ ہو گیا ہے اب تم مدرسہ آ سکتے ہو، اپنے گھر والوں اور اساتذہ سے مشورہ کیا تو چوں کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ نینی تال کے جیل میں تھے اس لیے اساتذہ نے دورۂ حدیث کے لیے دیوبند کے بجائے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے پاس جانے کا مشورہ دیا اس

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۳۰۵۔۳۰۹۔

طرح دوبارہ مدرسہ مفتاح العلوم مئو چلے گئے اور ۱۱؍شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۴ء کو سالانہ امتحان دے کر فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد تدریس میں لگنے کے بجائے مزید علمی پختگی اور قلمی تربیت کا خیال ہوا اور اس کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ سے رابطہ کیا تاکہ ان کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کریں، مگر بعد میں اس خیال کو ترک کرنا پڑا اور تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ پہلے مئو گئے پھر نگرام اور ڈھابیل میں خدمت کی، اس کے بعد سانحہ ضلع مونگیر کے ''مدرسہ معینیہ'' سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۳۷۵ھ میں ''جامعہ رحمانی'' مونگیر کے نئے کتب خانہ کا افتتاح تھا، سانحہ مدرسہ ''جامعہ رحمانی'' سے قریب تھا، اس لیے وہاں کثرت سے آمدورفت رہتی تھی، خاص کر وہاں کی لائبریری سے استفادہ کے لیے برابر جایا کرتے تھے، چنانچہ مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اس افتتاحی اجلاس میں شریک ہونے کو کہا، اور اس موقع سے ''کتب خانہ کی ضرورت واہمیت'' پر مقالہ پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی، مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ تیار ہوگئے، چنانچہ اس جلسہ میں ''کتب خانہ کی ضرورت واہمیت'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا، اجلاس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا قاری طیبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی شریک تھے، یہ مقالہ ان بزرگوں کو بہت پسند آیا اور یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کو قاری طیب صاحبؒ کی طرف سے دارالعلوم دیوبند میں تقرری کا خط آیا۔ ۵؍ستمبر کو سانحہ سے چلے گئے اور ۹؍ستمبر ۱۹۵۶ء کو دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے وہاں مختلف علمی وفقہی کاموں میں لگے رہے اور مفوضہ کام کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ادھر سانحہ والے بے چین ہوگئے اور کئی بار ذمہ داران دارالعلوم دیوبند سے درخواست کی کہ مفتی صاحب کو ہمارے یہاں واپس کر دیا جائے، حضرت قاری طیب صاحبؒ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے تو ان لوگوں کا اصرار ہوا کہ کچھ دنوں کے لیے ہی آ کر صرف مدرسہ سنبھال دیں پھر دارالعلوم واپس ہو جائیں گے، اس پر قاری طیب صاحبؒ نے رضامندی ظاہر کی، چنانچہ ۲۲؍شوال ۱۳۷۸ھ تا ۲۱؍محرم ۱۳۷۹ھ کی چھٹی لے کر سانحہ پہنچ گئے اور وہاں نظم ونسق کو درست فرمایا پھر ۲۲؍محرم کو دارالعلوم حاضر ہوگئے۔

دارالعلوم کے آغوش میں باضابطہ جو خدمات انجام دیں ان کو درج ذیل خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) شعبۂ تبلیغ وتصنیف: دارالعلوم دیوبند پہنچنے کے بعد سب سے پہلے قلمی صلاحیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ''جماعت اسلامی'' کے بعض نظریات کی تردید میں آپ کو لکھنے کا حکم دیا گیا، کیوں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو اس جماعت سے ذہنی دوری تھی، تقریباً دو ماہ میں اس کام کو پورا کیا اور ''جماعت اسلامی کے دینی رجحانات'' کے نام سے ایک کتاب تیار کی گئی جس میں جماعت اسلامی کے بعض نظریات کی تردید کی گئی تھی۔

(۲) ترتیب فتاویٰ: مزاج چوں کہ فقہی اور مثبت انداز میں لکھنے کا تھا جس کا مہتمم صاحب کے ذہن رسا نے اندازہ کر لیا تھا، اس لیے ۶؍ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ کو تبادلہ دارالافتاء میں مرتب کی حیثیت سے کر دیا گیا پھر ۲۹؍محرم ۱۳۷۷ھ

سے فتاویٰ نویسی کا کام بھی سپرد کیا گیا، استفتا کے جوابات بھی لکھتے تھے اور ترتیب فتاویٰ کا کام بھی کرتے تھے، شروع میں ایک سال میں تو ترتیب کا کام بہت سست رفتاری سے ہوا، لیکن جب محنتی محرر ملا تو کام میں بڑی تیزی آئی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے تمام فتاویٰ کو غور سے پڑھ کر ان پر باب وار، پھر فصل وار عنوانات لگائے، مسائل کے حوالے عبارتوں کے ساتھ نقل کیے اور جو کام گذشتہ پانچ سالوں سے ہو رہا تھا مگر ایک ورق نہیں چھپ سکا تھا اس کو چار سالوں میں مکمل کر دیا، یہ فتاویٰ اس وقت ضخیم ۱۲؍ جلدوں میں مکتبہ دارالعلوم دیوبند سے چھپا ہے جس میں پہلی جلد پر ۶۴ صفحات پر مشتمل مقدمہ، ۲۸ صفحات پر قاری طیب صاحبؒ کا پیش لفظ ہے۔

(۳) کتب خانہ کی ترتیب: ۱۳۸۲ھ میں جب دفاتر کے جائزہ کے سلسلہ میں شوریٰ میں رپورٹ پیش کی گئی تو اس میں کتب خانہ کی بدحالی کی شکایت سب سے زیادہ تھی، چنانچہ شوریٰ کے اکابر نے چاہا کہ کتب خانہ کی ترتیب جدید کی ذمہ داری کسی اچھے، ذی علم، ذی استعداد، مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والے اور سلیقہ مند شخص کو دی جائے اور ترتیب فتاویٰ کا کام چوں کہ مفتی صاحبؒ نے بڑے سلیقہ اور تیز رفتاری سے کیا تھا اس لیے ترتیب کتب خانہ کے لیے بھی سبھوں کی نظر انتخاب بھی آپ ہی پر پڑی اور آپ کا تبادلہ کتب خانہ میں ہو گیا۔ گو آپ کو یہ تبادلہ بہت شاق گذرا، لیکن ہمت جٹا کر اس کام کو شروع کیا، کتب خانہ کی ترتیب جدید کے لیے مختلف اسفار کی بھی اجازت دی گئی چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی'' گئے اور ایک ہفتہ وہاں قیام کر کے کتب خانہ کا تفصیلی جائزہ لیا اور مختلف لوگوں سے اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال بھی کیا، پھر ''رضا لائبریری'' رام پور تشریف لے گئے، وہاں کی ترتیب بہت پسند آئی، وہاں بھی ایک ہفتہ قیام کیا اور ضروری چیزیں نوٹ کیں، پھر ''خدا بخش لائبریری'' پٹنہ، کا بھی جائزہ لیا، اور واپس آ کر کتب خانہ کی ترتیب کا کام شروع کیا، پہلے مطبوعہ کتابوں کو زبان وار اور فن وار الگ الگ کیا اور کارڈ سسٹم جاری کیا پھر مخطوطات کا حصہ الگ کیا اور ان کا دو جلدوں میں تعارف بھی لکھا جسے بہت پسند کیا گیا، پھر اکابر دیوبند کی کتابیں ایک الگ کمرہ میں رکھوائیں تا کہ تحقیق اور ریسرچ کرنے والوں کو آسانی ہو اور ان کتابوں کا تعارف بھی لکھا، لیکن وہ تعارف چھپنے سے پہلے ایک حادثہ میں ضائع ہو گیا، نیز پہلے وہاں بیٹھ کر طلبہ کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا انتظام نہیں تھا آپ کی کوششوں سے یہ انتظام ہو سکا۔ اس طرح ترتیب فتاویٰ کے بعد کتب خانہ کی ترتیب کا کام بھی آپ کے ہاتھوں مکمل ہوا، جس سے باذوق اہل علم کی شکایات دور ہوئیں اور لائبریری زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لائق بنی، آج بھی یہ کتب خانہ اسی ترتیب پر ہے اور اس کا سارا انتظام اسی نہج پر چل رہا ہے۔

(۴) خدمت افتا: جس وقت دارالافتاء میں ترتیب فتاویٰ کے لئے رکھا گیا تھا اس کے دو ماہ بعد ہی افتا کا کام بھی سپرد کر دیا گیا تھا اور حقیقت میں آپ اسی کام کے لائق تھے، کیوں کہ مزاج شروع سے فقہی رہا ہے، جس کا اظہار حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا مناظر

احسن گیلانیؒ وغیرہ نے اپنے مختلف خطوط میں کیا ہے، لیکن درمیان میں آپ کی متنوع صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف کام لئے گئے، افتا کا کام فراغت کے بعد ہی سے شروع کر دیا تھا، اور ترتیب کے زمانہ میں بھی افتا اور ترتیب فتاویٰ کا کام انجام دیتے تھے، جس میں تمام مسائل کے حوالہ کے لیے مختلف کتابوں کی مراجعت کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ کام بصد شوق کرتے تھے کیوں کہ یہ کام ذوق کے مطابق تھا اور اس میں مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ جیسی وسیع العلم شخصیت کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے خود اپنے علم میں وسعت بھی پیدا ہو رہی تھی اور ہر مسئلہ کا حوالہ درج کرنے کی وجہ سے مطالعہ کا ذوق بھی پورا ہو رہا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے علاوہ اپنی صلاحیت واستعداد اور علمی حلقوں میں مقبولیت ومحبوبیت کی وجہ سے کئی اور عہدوں پر فائز رہے چنانچہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور تمام مسلمانوں کی متحدہ تنظیم ’’آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ‘‘ کی مجلس تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن تھے، ’’اسلامک فقہ اکیڈمی‘‘ انڈیا کے صدر تھے، ’’امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ‘‘ کے معزز رکن شوریٰ، اور مختلف دینی درسگاہوں اور ملی اداروں کے سرپرست تھے۔

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ ایک اچھے مفتی، بہترین مدرس، اور بے باک خطیب بھی تھے، لیکن اصل مزاج تصنیف وتالیف کا تھا، مختلف موضوعات پر کتابیں بھی لکھیں، ذیل میں مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) اسلام کا نظام مساجد: یہ آپ کی پہلی باضابطہ تصنیف ہے جسے ’’مدرسہ معینیہ‘‘ سانحہ، مونگیر کے قیام کے زمانہ میں لکھی تھی، کتاب کی ترتیب سے قبل مولانا سید سلیمان ندویؒ، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہم سے مراسلت بھی کی گئی تھی اور حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی نظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت ہوئی۔

(۲) اسلام کا نظام امن۔

(۳) اسلام کا نظام عفت وعصمت۔

(۴) اسلامی نظام معیشت۔

(۵) اسلام کا نظام جرم وسزا۔

(۶) دارالعلوم دیوبند - قیام اور پس منظر۔

(۷) دارالعلوم دیوبند - ایک عظیم مکتب فکر۔

(۸) مشاہیر علماء دیوبند۔

(۹) امارت شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں۔

(۱۰) امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب۔

(۱۱) مصائب سرور کونین-اسوۂ حسنہ۔
(۱۲) تاریخی حقائق: یہ کتاب صحابہ اور سلف کے واقعات پر لکھی گئی ہے۔
(۱۳) تاریخ مساجد: یہ کتاب اسلامی تاریخ کی یادگار مسجدوں سے متعلق تصنیف کی گئی ہے۔
(۱۴) حیات گیلانی: معروف اہل قلم مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی مفصل سوانح حیات۔
(۱۵) دینی عقائد: یہ کتاب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خواہش پر لکھی گئی تھی اس میں اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے صحیح عقیدے کی ترجمانی کی گئی ہے۔
(۱۶) جماعت اسلامی کے دینی رجحانات: یہ کتاب بھی قاری طیب صاحبؒ کے حکم پر جماعت اسلامی کے بعض نظریات کی تردید میں لکھی گئی ہے۔
(۱۷) نظام تربیت۔
(۱۸) اسلام کا نظام تعمیر سیرت۔
(۱۹) اسلامی حکومت کے نقش ونگار۔
(۲۰) تعارف مخطوطات دارالعلوم دیوبند۔
(۲۱) مسائل حج وعمرہ۔
(۲۲) حکیم الاسلام اور ان کی مجالس۔
(۲۳) تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانی۔
(۲۴) تذکرہ مولانا عبدالرشید رانی ساگر۔
(۲۵) درس قرآن۔
(۲۶) اسلام کا نظام حیات۔
(۲۷) حضرت نانوتویؒ-ایک مثالی شخصیت۔
(۲۸) ترجمہ درمختار از ابتداء تا کتاب الطلاق۔
(۲۹) مشاہر علماء ہند کے مراسلے: اکابر علما اور مشہور اصحاب قلم حضرات سے جو آپ کی مراسلت ہوئی اور وہ علمی مضامین جو اپنے عہد کے حالات اور کتابوں سے متعلق تبصروں پر مشتمل تھی، عمومی افادہ کے لیے آپ نے انہیں جمع کر دیا ہے۔
(۳۰) زندگی کا علمی سفر: یہ آپ کی خودنوشت سوانح حیات ہے۔
(۳۱) مجموعۂ قوانین اسلامی: امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی خواہش پر آپ نے دفعہ وار

اسلامی قوانین کی ترتیب کا کام شروع فرمایا اور گوکئی علمانے اس کام میں حصہ لیا مگر ابتدائی مسودہ کی ترتیب کی سعادت آپ ہی کے حصہ میں آئی۔

(۳۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۱۲؍جلدیں): یہ مفتی عزیزالرحمٰن عثمانیؒ مفتی اول دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جن کو آپ نے بڑی محنت سے ۱۲؍ضخیم جلدوں میں مرتب فرمایا ہے، جن کی آخری جلد کتاب اللقطہ پر ختم ہوتی ہے۔

۲۰۰۸ء میں آپ نے اپنے فرزندان کے اصرار پر اپنی پیرانہ سالی اور علالت کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند سے علاحدگی اختیار کر لی وراپنے گاؤں پورانوڈیہا میں ہی رہنے لگے۔(۱) اپنے وطن کے قیام ہی کے زمانہ میں ۳۱؍مارچ ۲۰۱۱ء مطابق ۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ کی رات جوار رحمت میں اپنی جگہ بنالی۔(اناللّٰہ وانا الیہ راجعون)

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی ولادت ۱۹۳۶ء میں ہوئی، آپ کا آبائی وطن ضلع دربھنگہ کی مشہور علمی بستی جالے ہے۔ آپ کے والد ماجد عبدالاحد صاحبؒ شیخ الہند مولانا محمودالحسن دیوبندیؒ کے اولین شاگردوں میں سے تھے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی قرآن مجید اپنی والدہ سے پڑھا اور اردو، فارسی اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا زین العابدینؒ سے حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں جماعت پنجم میں ہوا، آپ دار العلوم دیوبند میں چار سال رہے، ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ مادرعلمی دارالعلوم دیوبند سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا، آپ ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کی تعریف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے، علماء عرب کے سامنے دیوبند کا ذکر بڑے بلند الفاظ میں کیا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے ''جامعہ ازہر'' مصر میں آپ کا داخلہ منظور ہو چکا تھا اور آپ وہاں جانے کے آرزومند تھے مگر آپ کی والدہ اس حق میں نہیں تھیں کہ آپ اتنا طویل سفر کریں، چنانچہ انہوں نے حضرت مدنیؒ کو خط لکھا اور حضرت مدنی نے ازہر (مصر) جانے سے آپ کو منع کر دیا، شوال میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت رابع امارت شرعیہ کا ایک خط ''جامعہ رحمانی'' میں تقرر کے لیے آگیا، چنانچہ آپ حضرت مدنیؒ کے حکم پر ۲۱؍شوال ۱۳۷۴ھ سے ''جامعہ رحمانی'' میں تدریس کی خدمت پر مامور ہو گئے، یہاں سے حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی معیت کا آغاز ہوا اور جب تک حضرت مولانا نے قدرت کے فیصلے پر دنیا نہیں چھوڑ دی اس وقت تک مولانا کا ساتھ نہیں چھوڑا، مولانا کے تعاون واعتماد کا یہ مبارک سفر ۳۶؍سال دس ماہ تک رہا، جس نے ملت اسلامیہ کی ایک نئی تاریخ کو وجود بخشا۔ مونگیر میں پہلے مرحلہ میں قاضی صاحبؒ کا قیام سات سال رہا، اس دوران آپ کو درجہ پرائمری سے عربی ہفتم تک کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔

حضرت امیر شریعتؒ کی صحبت نے آپ میں ملی مسائل کے بارے میں سوچنے کا صحیح ومثبت رخ پیدا کیا اور گروہی و

(۱)　فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۳۴۷-۳۴۹۔

جماعتی تعصب سے اوپر اٹھ کر مثبت اور آفاقی طرز پر سوچنے کا مزاج بنایا اور پھر پوری زندگی اسی طرز پر گذری، قاضی صاحبؒ کی خدمت کا دوسرا رخ کار قضا ہے۔ قاضی صاحبؒ پر طالب علمی ہی سے فقہی رنگ غالب تھا اور جامعہ رحمانی میں ہدایہ کے اسباق آپ سے متعلق ہوئے تو یہ رنگ اور بھی گہرا ہوگیا پھر قضا کی ذمہ داری آپ کے سر آئی تو آپ پر فقہی رنگ پختہ تر ہوتا گیا، چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں دوسرے شعبوں کے ساتھ نمایاں خدمت فقہ کے باب میں انجام دی اور سب سے زیادہ اپنی توجہ کا مرکز فقہ ہی کو بنایا، فقہ وفتاویٰ کی لائن سے آپ کی خدمات کو سات خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) فتاویٰ نویسی: قاضی صاحبؒ اصلاً ''امارت شرعیہ'' کے قاضی تھے اور فقہا کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ قاضی فتویٰ دے سکتا ہے یا نہیں، یا عام مسائل میں دے سکتا ہے، ان مسائل میں نہیں جن کا تعلق قضا کے باب سے ہو اور جن میں فریقین کے دار القضاء سے رجوع کا امکان ہو؟ اس لیے قاضی صاحب عموماً استفتا کے جواب سے گریز کرتے تھے تاہم جن امور کا تعلق قضا سے نہیں یا فریقین قاضی صاحب ہی کے فتوے پر عمل کے لیے رضامند ہوں ان مسائل میں آپ فتویٰ لکھتے تھے، بعض فتاویٰ آپ نے ایسے بھی لکھے ہیں جن کو دوسروں کے دستخط سے جاری کیا جن کی آج شناخت مشکل ہے اخیر زمانہ میں جب کہ صرف چند اہم مقدمات ہی کے فیصلے فرماتے تھے اس زمانہ میں استفتا کے جواب بھی لکھا کرتے تھے۔

قاضی صاحبؒ کے فتاویٰ میں اپنے اکابر کی طرح مدارج احکام کی رعایت عرف وضرورت زمانہ کا لحاظ بھرپور انداز میں پایا جاتا تھا، قاضی صاحبؒ کے فتاویٰ کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو سے کچھ زیادہ ہے، ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کے ایک رفیق مولانا امتیاز احمد قاسمی نے اس کی ترتیب وتحشیہ کا کام کیا ہے جو ''فتاویٰ قاضی'' کے نام سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

(۲) قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ: قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی زندگی کی سب سے نمایاں خدمت ''خدمت قضا'' ہے، قضا کی ذمہ داری پہلے سے بھی آپ کے خاندان سے متعلق رہی ہے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء کو امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ میں آپ کو ناظم اور قاضی مقرر کیا۔ ۱۹۶۵ء تک آپ امارت شرعیہ کے ناظم رہے پھر نظامت کی ذمہ داری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب (موجودہ امیر شریعت) کے سپرد کی گئی، تاہم ۱۹۶۲ء سے اپنی وفات (۲۰۰۲ء) تک چالیس سال آپ یہاں کے قاضی رہے اور ۹ / ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۴ / جون ۱۹۹۹ء سے اپنی وفات تک چار سال نائب امیر شریعت بھی رہے، ان کے علاوہ امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر ٹرسٹ کے جنرل سکریٹری، مولانا سجاد میموریل اسپتال، مولانا منت اللہ رحمانی میموریل ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ، پارامیڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری، اور امارت مجیبیہ ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ دربھنگہ، امارت عمر ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ راورکیلا، امارت ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ پورنیہ کے صدر، وفاق المدارس

الاسلامیہ، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پٹنہ کے بانی وصدر تھے۔

''امارت شرعیہ'' کے پلیٹ فارم سے آپ نے بے شمار علمی وفقہی خدمات انجام دی، ملک کے مختلف علاقوں میں آپ نے تربیت قضا کے کیمپ لگوائے، پہلے امارت شرعیہ میں تربیت قضا کا باضابطہ نظم نہیں تھا آپ نے اس کا ایک سالہ کورس تیار کیا اور تربیت پانے والے طلبہ کے لیے قیام وطعام کے علاوہ وظیفہ کی بھی سہولت مہیا کی، پہلے مرکزی دار القضاء کے علاوہ صرف نو (۹) ذیلی دار القضاء قائم تھے اور دو تین کو چھوڑ کر سب اضمحلال کی حالت میں تھے آپ نے اس نظام کو بھی استحکام بخشا اور اس میں توسیع فرمائی چنانچہ آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں ذیلی دار القضاء کی تعداد ۳۶ ہوگئی، ان کے علاوہ آسام، کرناٹک، تمل ناڈو، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، دہلی اور یوپی میں بھی نظام قضاء قائم ہوا۔

۱۹/ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو جے پور میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ'' کے گیارہویں اجلاس میں جو دار القضاء کی تجویز منظور ہوئی تھی یہ تجویز بھی قاضی صاحبؒ نے ہی نہایت مؤثر طریقہ پر پیش کی تھی جس سے پورے مجمع نے اتفاق کیا اور آپ ہی کو اس نظام قضا کا کنوینر بنایا گیا، چنانچہ آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں دہلی، ممبئی، تھانہ، دھولیا، اکولا، میسور اور اندور میں دار القضاء قائم ہوئے اور ملک گیر سطح پر دار القضاء کے سلسلہ میں بیداری پیدا ہوئی۔

قاضی صاحبؒ کو اللہ نے بلا کی ذہانت وفطانت اور قضا کی صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ کے فیصلوں میں قاضی ابویوسفؒ، وکیع بن الجراحؒ، اور قاضی شریحؒ کے فیصلوں کی جھلک نظر آتی ہے، قاضی صاحبؒ چالیس سال دار القضاء امارت شرعیہ کے قاضی رہے اخیر عمر کے چار سال سخت علالت کی وجہ سے علاج کے سلسلہ میں دہلی مقیم رہے۔

(۳) مسلم پرسنل لابورڈ: ۱۹۶۳ء میں سب سے پہلے ''امارت شرعیہ'' پٹنہ میں ''مسلم پرسنل لا'' کانفرنس بلائی گئی، قاضی صاحبؒ بھی اس وقت ''امارت شرعیہ'' میں تھے اس کانفرنس میں آپ کا بھی حصہ تھا، پھر مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر مارچ ۱۹۷۲ء میں دار العلوم دیوبند میں اجتماع رکھا گیا تو اجتماع کی تیاری کے لیے قاضی صاحبؒ ایک ماہ قبل ہی سے دار العلوم میں مقیم ہوگئے اور ''متبنیٰ بل'' کے قانونی اور شرعی پہلوؤں کا مطالعہ کیا اور معاندین کے اعتراضات کو جمع فرما کر بنیادی سوال مرتب کیا، پھر جب دسمبر ۱۹۷۲ء میں ممبئی میں کنونشن منعقد ہوا تو اس میں بھی قاضی صاحبؒ کا مؤثر خطاب ہوا پھر جب حیدرآباد میں عہدہ داران کے انتخاب کا اجلاس ہوا تو آپ کا ایسا مؤثر خطاب ہوا کہ قاری طیب صاحبؒ نے فرمایا کہ قاضی صاحب کے خطاب کے بعد کسی کے خطاب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ غرض ''مسلم پرسنل لابورڈ'' کی تاسیس اور تشکیل کے ہر مرحلہ میں قاضی صاحبؒ پیش پیش رہے، جب بورڈ کے دوسرے صدر حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کا انتقال ہوا تو ۲۳/ اپریل ۲۰۰۰ء کو آپ کو بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا اور اپنی وفات (۴/ اپریل ۲۰۰۲ء) تک تقریباً دو سال آپ نے اس عہدے پر رہ کر گرانقدر خدمات انجام دیں۔

(۴) مرکز البحث الاسلامی کا قیام: ۱۹۷۹ء میں قاضی صاحبؒ نے ساؤتھ افریقہ کا سفر کیا تو وہاں بہت

سے ایسے نئے مسائل سامنے آئے جن کے حل کے لیے ایک گونہ اجتہاد اور غور وفکر کی ضرورت تھی لیکن اس ہوئی پرستی اور علمی انحطاط کے زمانہ میں انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی غور وفکر کا راستہ زیادہ محفوظ تھا جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فقہاء صحابہ کے اجتماعی مشورہ کی مجلس قائم کی تھی اور جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فقہا کے اجتماعی غور وفکر کا نظام بنایا تھا، چنانچہ قاضی صاحب ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے اجلاس میں جب حیدرآباد آئے تو یہیں اس مقصد کے لیے ''مرکز البحث الاسلامی'' کے ابتدائی خاکہ پر مشورہ ہوا اور اسکی تشکیل عمل میں آئی، اس کا پہلا سیمینار یکم تا ۳؍اپریل ۱۹۸۹ء میں ''ہمدرد یونیورسٹی'' میں منعقد ہوا، جس میں ضبط ولادت، اعضاء کی پیوندکاری اور مکان ودوکان کی پگڑی کے موضوعات زیر بحث آئے، اس سیمینار میں ایک سوبیس اداروں اور دارالافتاء کی نمائندگی ہوئی، مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے اس کی صدارت فرمائی تھی اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے افتتاحی کلمات فرمائے تھے۔

(۵) سہ ماہی بحث ونظر: ''امارت شرعیہ'' کے ترجمان ہفت روزہ ''نقیب'' میں عام اصلاحی دینی وسماجی مضامین شائع ہوتے تھے، دقیق فقہی مباحث درج نہیں کئے جاسکتے تھے اس لیے ایک خاص علمی وفقہی پرچہ نکالنے کی تجویز سامنے آئی اور قاضی صاحبؒ نے ۱۹۸۸ء میں ذاتی طور پر ''بحث ونظر'' کے نام سے سہ ماہی رسالہ نکالنا شروع کیا جس مقصد کے لیے یہ رسالہ نکالا جارہا تھا، اس کے لیے خصوصی عناوین رکھے گئے، چنانچہ نئے مسائل کے حل میں سب سے زیادہ اصول کی ضرورت پڑتی تھی، اس لیے ایک عنوان ''اصولی مباحث'' کا رکھا گیا، ایک عنوان ''تحقیقات فقہیہ'' کا رکھا گیا، جس میں جدید مسائل پر علما کی آراء نقل کر کے بحث وتمحیص اور اصول کی کسوٹی پر جانچنے اور ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح کیسے دی جائے اسے تفصیل سے درج کیا جاتا تھا، مذکورہ دونوں عناوین پر عموماً قاضی صاحبؒ خود ہی لکھتے تھے، ان کے علاوہ ایک عنوان ''قضایا'' کا تھا جس میں دارالقضاء کے فیصلے شائع کئے جاتے تھے، ایک عنوان ''فقہی شخصیات'' کا رکھا گیا تاکہ فقہ کے حوالہ سے اپنے اسلاف کی محنت وجاں فشانی علما کے سامنے آئے۔

اس رسالہ کی اشاعت نے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کردیا بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی کہ علمی انحطاط کے اس دور میں اس قسم کا رسالہ کون پڑھے گا لیکن چند ہی مہینوں میں اس کی مقبولیت نے لوگوں کو حیران کردیا اور علما میں بحث وتحقیق کی ایک لہر پیدا ہوگئی، اس رسالہ کی نیابت میں راقم الحروف (انیس الرحمٰن قاسمی) شامل رہا۔

(۶) اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام: ''مرکز البحث الاسلامی'' کے سیمینار کی کامیابی، امت کے مسائل سے علما کی دلچسپی اور مختلف الفکر علما کی وسیع القلبی دیکھ کر قاضی صاحبؒ کا حوصلہ بڑھا اور ''مرکز البحث الاسلامی'' کو ۱۹۸۹ء میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' انڈیا کی شکل میں بدل دیا گیا، قاضی صاحبؒ کی زندگی میں اکیڈمی کے تحت تیرہ فقہی سیمینار ہوئے، جن میں بہ حیثیت مجموعی ۱۴۱ مسائل پر بحث کی گئی، ان کے علاوہ دینی مدارس کے طلبہ میں اپنے عہد کے مسائل پر شعور پیدا کرنے کے لیے توسیعی خطبات اور تربیتی کیمپ کا انتظام کیا گیا، ۱۷؍مدارس میں آپ نے توسیعی خطبات

رکھے اور تین کیمپس منعقد کئے گئے جن میں معاشیات، علم شہریت، نفسیات، مخالف اسلام تحریکات اور دستور ہند وغیرہ پر محاضرات دیئے گئے، نیز اکیڈمی کے تحت آپ کی زندگی میں فقہی سیمینار میں پیش کئے گئے، مقالات کے ۱۷ر مجموعے اشاعت پذیر ہوئے اور ۵۴ر کتابیں طبع ہوئیں، الموسوعة الفقهية (۴۰ر جلدوں) کا اردو ترجمہ آپ نے ہی شروع کرایا تھا جو آپ کی زندگی میں نہیں چھپ سکا۔ آپ کی وفات کے بعد اس کی اشاعت شروع ہوئی۔

(۷) المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء: نظام قضا کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ محض چند تربیتی کیمپ پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ افتا اور قضا کے اصول وفروع کو پوری وسعت کے ساتھ پڑھایا جائے، چنانچہ اس کام کے لیے قاضی صاحبؒ نے ایک مستقل ادارہ کے قیام کا فیصلہ کیا اور ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں امارت شرعیہ کی طرف سے معہد کی بنیاد ڈالی، قاضی صاحبؒ نے اس ادارہ کو ملک گیر پیمانہ پر مفید بنانے کے لیے جہاں پر کشش اور مفید نصاب رکھا وہیں مختلف علاقے کے علما کو بھی اعتماد میں لیا اور انہیں ادارہ کا رکن بنایا چنانچہ عام طور پر بہار اور مشرق کی طرف دوسرے علاقوں کے علما اور طلبہ کا رخ کم ہونے کے باوجود اس ادارہ سے ہر علاقہ کے علما اور طلبہ کا رجوع ہوتا ہے۔

(۸) تصنیفات وتالیفات: قاضی صاحبؒ نے بنیادی طور پر کتابوں کی تصنیف سے زیادہ افراد واشخاص کی تربیت پر توجہ دی اس لیے آپ کی تصنیفات تعداد کے اعتبار سے کم ہیں لیکن آپ کی جتنی بھی کتابیں ہیں وہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے انتہائی اہم اور علماء تحقیق کے لیے سرمۂ چشم کا درجہ رکھتی ہیں، آپ کی بیش بہا تصانیف میں ''اسلامی عدالت'' (۴۳۳ صفحات) ''مباحث فقہیہ'' (آپ کے مقالات کا مجموعہ ۴۶۹ صفحات) ''مسلم پرسنل لا کا مسئلہ: تعارف وتجزیہ'' (۵۶ صفحات) ''خطبات بنگلور''، ''فتاویٰ امارت شرعیہ'' (۲ر جلدیں، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفتیان امارت شرعیہ کے فتاویٰ کی ترتیب) ''اسلام انسانی مسائل کا حل'' (تین خطبات کا مجموعہ) ''اسلام اور اجتماعیت'' (یہ بھی آپ کے خطبات کا مجموعہ ہے) ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' (قاضی عماد الدین اشفور قانیؒ کی تصنیف پر تحقیق وتعلیق ۴ر جلدیں مجموعی صفحات ۱۶۸۱) ''فقہ المشکلات'' (منتخب فقہی مضامین کا مجموعہ، صفحات ۲۴۸) ''کتاب الفسخ والتفریق'' (مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی کتاب پر تحقیق وتعلیق) ''آداب قضاء'' (مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کتاب پر تحقیق وتعلیق) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

(۹) دوسرے میدانوں میں خدمت: قاضی صاحبؒ ہر جہت میں ملت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے میں کوشاں تھے چنانچہ وہ امت کے زوال کے سبب بنیادی انتشار وافتراق کے بجائے ''اتحاد امت'' کے بہترین داعی تھے اور مسلمانوں میں ہمہ جہت خدمات کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے چنانچہ مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور معاشی ہر طرح کے زوال کو دیکھ کر قاضی صاحبؒ نے ۱۔۲ر جون ۱۹۹۱ء کو ''سورج کنڈ، ہریانہ'' میں ملت کے باشعور افراد کو جمع فرمایا، ۱۳ر اپریل ۱۹۹۲ء کو اس سلسلہ کی دوسری میٹنگ دہلی میں کی، جس میں ۲۳۔۲۴ر مئی کو ممبئی میں ''اتحاد ملت کانفرنس'' کی تجویز

طے ہوئی، اسی کانفرنس میں ''آل انڈیا ملی کونسل'' کا قیام عمل میں آیا، آپ نے ''کاروان آزادی'' نکالنے کا اہتمام کیا، جس میں جنگ آزادی میں مسلمانوں کے کردار پر بیانات کا سلسلہ میسور سے شروع کر کے پورے ملک میں پھیلایا گیا، مدارس کو حکومت کے نشانے سے بچانے کے لیے ''رابطۂ مدارس کانفرنس'' بلائی، ٹاڈا اور پوٹا جیسے ظالمانہ قانون کے خلاف بہت ہی مؤثر آواز اٹھائی، ان کے علاوہ ''امارت شرعیہ'' کی طرف سے غریبوں کے علاج کے لیے پٹنہ، دربھنگہ وغیرہ میں اسپتال کے قیام کا منصوبہ بنایا اور غریبوں کے علاج کے لئے متعدد میڈیکل کیمپ لگوائے، مسلمانوں کو روزگار سے جوڑنے کے لیے پٹنہ و دیگر جگہوں جیسے پورنیہ، دربھنگہ، راورکیلا، مغربی چمپارن وغیرہ میں ''ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ'' قائم کئے، مدارس کے معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لیے ۱۹۹۶ء میں ''وفاق المدارس الاسلامیہ'' بنائی جس سے آزاد مدارس ملحق ہیں۔

(۱۰) عہدے اور ایوارڈ: آپ بیک وقت کئی کئی اداروں سے وابستہ تھے اور ہر ادارہ کے کام کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، آپ چند سال ''امارت شرعیہ'' کے ناظم رہے، تاحیات دار القضاء کے قاضی اور اخیر عمر میں نائب امیر شریعت بھی رہے، اس کے علاوہ آپ ''امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر ٹرسٹ'' کے جنرل سکریٹری، ''مولانا سجاد میموریل اسپتال'' کے سکریٹری، ٹیکنیکل اداروں کے صدر، ''وفاق المدارس الاسلامیہ'' کے بانی وصدر، سہ ماہی رسالہ ''بحث ونظر'' کے بانی و مدیر اعلیٰ، ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' کے بانی وصدر، ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کے بانی و جنرل سکریٹری، ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے رکن تاسیسی، رکن عاملہ، ''محکمہ دار القضاء'' کے کنوینر اور اخیر عمر میں صدر بھی رہے، ''آل انڈیا ملی کونسل'' کے بانی وسکریٹری جنرل، ''انسٹی ٹیوٹ آف اوبجیکٹیو اسٹڈیز'' کی کورننگ باڈی کے ممبر، ''الامین اسلامک فائنانشیل فاؤنڈیشن'' کے ''شریعہ بورڈ'' کے رکن، ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' (مکہ مکرمہ) کے رکن، ''انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی'' جدہ، کے اکسپرٹ ممبر، ''**المجمع الفقهي العالمي**'' **دمشق**، کے رکن اور ''**الهيئة الخيرية الإسلامية العالمية**'' **کویت**، کے رکن اعزازی تھے۔

آپ کی اس ہمہ جہت خدمت اور مقبولیت کی وجہ سے مختلف اداروں سے آپ کو جتنے ایوارڈس ملے ہیں، ہندوستان میں بہت کم لوگوں کو اتنے ایوارڈس حاصل ہوئے ہیں۔

۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۴ راپریل ۲۰۰۲ء جمعرات کا دن رخصت ہو رہا تھا، اسی وقت شام سات بجکر پانچ منٹ پر اپنی طویل علالت، بلکہ تھکاوٹ کے بعد یہ مسافر جوار رحمت میں سو گیا۔ (**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**) آپ نے آخری سانس دہلی کے اپولو اسپتال میں لی، صبح آپ کی پہلی نماز جنازہ ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' دہلی، میں مولانا عبداللہ مغیثی نے پڑھائی، دوسری نماز جنازہ دہلی ایرپورٹ پر مولانا یعقوب صاحب (استاذ مظاہر علوم وقف) نے پڑھائی، جمعہ کے بعد تیسری نماز ''امارت شرعیہ'' میں مولانا سید نظام الدین امیر شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے

پڑھائی، عشا کے بعد آخری نماز جنازہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (برادر زادۂ قاضی صاحبؒ) نے مہدولی در بھنگہ میں پڑھائی اور وہیں اپنے گھر کے سامنے آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔(۱)

مفتی ظہور احمد ندوی:

۱۹۲۷ء میں مبارکپور، یوپی کے ایک زمیندار گھرانہ میں آنکھیں کھولیں، والد ماجد جناب عبدالستار صاحبؒ ممتاز فارسی داں اور علاقہ کے بڑے زمینداروں میں سے تھے۔ سن شعور کے بعد تعلیم شروع ہوئی، ابتدائی تعلیم گاؤں کے ''مدرسہ ریاض العلوم'' میں ہوئی، پھر مبارکپور کے ''مدرسہ احیاء العلوم'' میں داخل ہوئے، شرح جامی اور شرح تہذیب تک درس نظامی کے مطابق تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۴۴ء میں ''دارالعلوم ندوۃ العلماء'' لکھنؤ تشریف لائے، ۱۹۵۰ء تک یہاں کے مشہور اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مادر علمی میں ہی تدریس کا موقع ملا، فقہ سے گہری دلچسپی اور فقہی مہارت کے پیش نظر فن فقہ کی اونچی کتابیں پڑھانے کو ملیں پھر دارالعلوم کے صدر مفتی بنائے گئے اور اب تک دارالعلوم میں اپنی صلاحیت سے فیض یاب کر رہے ہیں، اس کے علاوہ دارالعلوم کے نائب مہتمم کی بھی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں، مفتی صاحب کو علم وفقہ سے خصوصی اور گہرا تعلق زمانہ طالب علمی سے ہی رہا ہے، اور اس میں بڑا دخل مربی خاص مولانا مفتی سعید ندویؒ کا ہے جو اُن دنوں دارالعلوم کے مفتی تھے، ان کی نگرانی اور سرپرستی میں اپنا علمی سفر مکمل کیا، مفتی سعید صاحبؒ کی توجہات کی وجہ سے فقہ کے قدیم وجدید مآخذ ومراجع ومصادر سے استفادہ کا موقع ملا، اور فکر ونظر میں وسعت اور مزاج میں تفقہ پیدا ہوا، دارالافتاء کی ذمہ داری اور طویل عرصہ تک فقہی کتابوں کی مناسبت کی وجہ سے اس فن پر پورا عبور حاصل ہوگیا ہے۔ استحضار اور حاضر جوابی کی خاص دولت آپ کو ملی ہے، فقہ کی جزئیات ہمہ وقت جس طرح نوک زبان ہوتی ہیں وہ کم ہی کسی کو رہتی ہے، آپ کے بارے میں عام تأثر ہے کہ ہدایہ کی جلدیں گویا حفظ یاد ہیں، دارالعلوم کے اساتذہ بھی مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ سے رجوع کرتے ہیں، فقہی مہارت کے ساتھ دقیقہ رسی اور نکتہ دانی میں بھی کمال حاصل ہے۔

مولانا مفتی احمد خانپوری:

مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب ۲۷؍شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء کو موضع خانپور ضلع بھروچ صوبہ گجرات میں پیدا ہوئے، والد کا نام محمد تھا، ابتدائی تعلیم خانپور کے مکتب میں حاصل کی، فارسی اول سے دورۂ حدیث تک مکمل درس نظامی دارالعلوم اشرفیہ راندیر، گجرات میں پڑھا اور یہیں سے ۱۳۸۶ھ میں فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۳۱۴؍تا ۳۳۳۔

۱۶؍شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶؍جنوری ۱۹۶۹ء یوم دوشنبہ سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں درس وتدریس سے منسلک ہوگئے۔ یہاں تعلیم وتدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی سپرد کیا گیا۔ ماہنامہ اذان بلال، ماہنامہ صوت القرآن اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مفتی صاحب دامت برکاتہم کے لکھے گئے فتووں کو مولانا مفتی عبدالقیوم راجکوٹی نے ''محمود الفتاویٰ'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔ فتووں کی زبان آسان اور عام فہم ہے۔ مفتی صاحب علم وفہم اور تقویٰ کے صفات سے مزین ہیں، مسائل حاضرہ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ولادت ۴؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ مطابق نومبر ۱۹۵۶ء کو مولانا حکیم زین العابدینؒ (قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے بڑے بھائی) کے گھر محلّہ جالے، دربھنگہ، بہار میں ہوئی، قرآن مجید، ابتدائی اردو وغیرہ اپنی دادی، والدہ اور پھوپھا مولانا وجیہ احمد سے پڑھی، فارسی اور عربی کی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں، پھر اپنے قریب کی بستی دوگھرا میں مدرسہ قاسم العلوم حسینیہ میں ایک دو سال کی تعلیم حاصل کی، یہاں مولانا عبدالحمید قاسمی نیپالی خاص استاذ تھے، متوسطات سے دورۂ حدیث کی تعلیم جامعہ رحمانی مونگیر میں ہوئی، ۱۳۹۵ھ میں فراغت کے بعد مکرر دورۂ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۹۶ھ میں وہاں سے فارغ ہوئے، دیوبند سے فراغت کے بعد ''امارت شرعیہ'' پٹنہ سے قضا وافتا کی تربیت حاصل کی۔

شوال ۱۳۹۷ھ میں امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش مولانا حمید الدین حسامی عاقلؒ کی دعوت پر دارالعلوم حیدرآباد تدریس کے لیے گئے، ۱۳۹۸ھ میں مولانا عاقل صاحب کی اجازت سے تعلیمی سال پورا کرکے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد منتقل ہوگئے، شعبان ۱۴۲۰ھ میں دارالعلوم سبیل السلام سے مستعفی ہوگئے اور اکابر کے مشورہ کے بعد فضلاء مدارس کی تربیت کے لیے ایک مستقل ادارہ ''المعہد العالی الاسلامی'' قائم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے، تفسیر، حدیث، رجال، سیر، فقہ، اصول فقہ، قواعد فقہیہ اور درس نظامی کے فنون پر گہری نظر ہے، مولانا کی دینی وفقہی خدمات کا ایک پہلو مختلف دینی وفقہی اداروں کا قیام اور اس کی کوشش ہے، جس کے لیے انہوں نے ''المعہد العالی الاسلامی'' قائم کیا، مولانا ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے سکریٹری، ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' انڈیا کے جنرل سکریٹری، اور ''دارالقضاء ملت اسلامیہ'' آندھرا پردیش کے قاضی ہیں۔

فقہ سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں، چنانچہ ''قاموس الفقہ'' (۵؍جلدیں)، حلال وحرام، اسلام کا نظام عشر وزکوٰۃ، طلاق وتفریق، نیا عہد نئے مسائل، مسجد کی شرعی حیثیت، خواتین کے مالی حقوق شریعت اسلامی کی روشنی میں، جدید فقہی مسائل (۵؍جلدیں)، کتاب الفتاویٰ (۶؍جلدیں) تدوین وتعارف، آسان اصول فقہ، **معاییر الحنفیة فی الاحتجاج بالسنة، قضایا معاصرة وأسلوب معالجتها، قضایا فقهية فی الأقليات المسلمة،** وغیرہ اب

تک شائع ہو چکی ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت ساری تالیفات ہیں۔ موصوف عہد حاضر کے مسائل پہ گہری نگاہ کے ساتھ اس کا شرعی حل پیش کرنے میں خصوصی درک ومہارت رکھتے ہیں۔ اللہ ان کی حیات میں برکت دے اور امت کو بیش از بیش ان سے فیض حاصل ہو۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی:

مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب کی پیدائش یکم مارچ ۱۹۵۸ء میں ہوئی، والد ماجد کا نام حاجی شیخ یار مرحوم ہے، آبائی وطن جھٹکاہی، ضلع مشرقی چمپارن، بہار ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوئی، پھر مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور میں داخلہ لیا اور عربی ششم تک وہاں تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم ہی میں افتا کیا۔ فراغت کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور، یوپی میں تقریباً تیرہ سال تدریسی خدمت انجام دی پھر ۱۹۹۴ء میں ''جامعہ اسلامیہ دارالعلوم، مہذب پور، اعظم گڑھ'' کی بنیاد رکھی اور تاہنوز اسی مدرسہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا حبیب اللہ صاحب کو فقہ وفتاویٰ سے خاص لگاؤ رہا ہے اس پہلو سے نمایاں خدمات رہی ہیں۔ چنانچہ دار العلوم دیوبند سے افتا کی تربیت پانے کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور میں تیرہ سال تدریس کے ساتھ افتا کی بھی خدمت انجام دی اور ۱۸۔۱۷/ سالوں سے دارالعلوم مہذب پور میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ فتاویٰ کا مجموعہ بھی ۶/ جلدوں میں ''حبیب الفتاویٰ'' کے نام سے مطبوع ہے۔

ایک درجن سے زائد کتابیں تالیف فرمائی ہیں جن میں فقہ کے موضوع پر ''**نیل الفرقدين في المصافحة باليدين**''، **أحكام يوم الشك**، نوٹ کی شرعی حیثیت، **المساعي المشكورة في الدعاء بعد المكتوبة**، **تنقيه الأذهان** (میت کے متعلق)، تحقیقات فقہیہ (مختلف رسائل ومقالات کا مجموعہ)، اور حبیب الفتاویٰ (۶/ جلدیں) وغیرہ اور دیگر موضوعات پر مبادیات حدیث، **أحب الكلام في مسئلة السلام**، **التوسل بسيد الرسل**، **جذب القلوب**، والدین کا پیغام زوجین کے نام، **تحفة السالكين**، مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں، رسائل حبیب، صدائے بلبل (خطبات کا مجموعہ) خاص کر قابل ذکر ہیں۔(۱)

مفتی شاکر خان صاحب:

مولانا شاکر خان صاحب کی ولادت ۵/ جولائی ۱۹۶۵ء کوسسن اسپتال پونہ میں ہوئی، بچپن ہی میں والدہ کا سایہ اٹھ گیا، والد حافظ مطیع اللہ خان صاحب صوات پاکستان کے رہنے والے تھے، پونہ میں آ کر بس گئے تھے، ابتدائی تعلیم

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۴۱۱۔۴۱۲۔

والد ماجد سے شروع کی، مولانا یونسؒ کے توسط سے دارالعلوم عالمگیر بھنگار، احمد نگر میں داخلہ کرایا گیا، وہاں ناظرہ اور حفظ کی تکمیل کی، ایک سال کے لیے دارالعلوم نپانی میں داخلہ لیا، جامعہ حسینیہ راندیر، سورت میں شعبہ عالمیت میں داخلہ لے کر مشکوٰۃ شریف وہیں مکمل کی اور دورۂ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور افتا میں تخصص بھی وہیں سے کیا، نیز دارالعلوم امدادیہ چونا بھٹی، بمبئی میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری سے رسم المفتی اور سراجی پڑھا، مولانا اس وقت دارالعلوم نپانی، بیلگام کرناٹک میں شیخ الحدیث اور افتا کے ذمہ دار ہیں۔(۱)

حضرت مولانا عبدالحق پاکستانی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق پاکستانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء کو اکوڑہ خٹک، پاکستان میں حضرت مولانا حاجی معروف گل ولد حاجی میر آفتاب صاحب مرحوم کے گھر ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والدین اور گاؤں کے مشہور بزرگ حاجی صاحب قصابان اور ممتاز بزرگ مولانا عبدالغفار وغیرہ سے حاصل کی، آٹھ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے مختلف مقامات کے جید اور ممتاز علماء کرام سے ملاقات کی، ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں اکوڑہ خٹک میں واقع مسجد (جواب مسجد قدیم مولانا عبدالحق کے نام سے معروف ہے) میں مختلف علوم وفنون کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تدریس شروع کی، ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کی پیش کش کی جسے آپ نے بخوشی قبول کرلیا۔

دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۶۶ھ (مطابق ۱۹۴۷ء) میں رمضان المبارک کی تعطیل کے موقع سے گھر آئے ہوئے تھے، اسی دوران ہندوپاک کی تقسیم کا واقعہ پیش آیا، لوگوں کا آپسی تبادلہ کے دوران راستہ میں لوٹ مار اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوگیا جس کی وجہ سے دیوبند جانا مشکل تھا، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حکومتی سطح پر بحفاظت دیوبند لانے کا انتظام بھی کیا مگر والد صاحب اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور دیوبند جانے سے روک دیا، ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند کے نہج پر دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی۔

عارف باللہ عظیم مجاہد حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پر بیعت کیا، ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی۔

آپ جہاں ایک عظیم محدث، مدبر سیاست داں اور روحانی پیشوا تھے وہیں ایک عظیم فقیہ محتاط مفتی کی حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے، لوگ ہزاروں مسائل کا حل طلب کرتے تھے، اپنے تنازعات اور گھریلو جھگڑے بھی ان سے حل

(۱) فتاویٰ شاکر خانجلد اول: ۲۸ / تا ۴۲۔

کرواتے تھے۔عموماً کوشش ہوتی تھی کہ سائل کو اس کا جواب مکمل سمجھایا جائے،اس لیے جواب لکھتے وقت بات کھل کر بیان فرماتے،اگر چہ طویل ہوجاتا۔فتویٰ لکھتے وقت فقہ حنفی کی مشہور کتابیں زیر نظر رہتیں،احتیاط کا عالم یہ تھا کہ دارالعلوم کے دیگر مفتیان بھی جب فتویٰ لکھتے تو انہیں اپنے سامنے سنانے کا حکم فرماتے،مسائل کے بیان کرنے یا لکھنے میں ماحول،حالات اور اس کے نتائج وعواقب کا بھی لحاظ رکھتے تھے،اور مصلحت شرعی کو سامنے رکھ کر جواب دیا کرتے تھے تاکہ معاشرہ میں بدمزگی پیدا نہ ہو،اور شریعت کا مذاق نہ اڑایا جائے۔آپ مسائل کے جوابات نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں دیا کرتے تھے،اور اس میں حوالہ جات کا خصوصیت سے اہتمام کرتے تھے تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔ آپ نے دارالافتاء کے نظام کو مستحکم کرنے کے لیے کئی مفتیان کرام کو استفتا کے جوابات لکھنے کی ذمہ داری دے رکھی تھی۔(۱)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد پاکستانی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا رشید احمد کی ولادت ۳ر صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۲ء منگل کو ''کوٹ اشرف'' ملتان، پاکستان میں ہوئی آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب اصلاً لدھیانہ کے رہنے والے ہیں جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے اور ہندوستان کا ایک حصہ ہے لیکن زمینداری کے سلسلہ میں لدھیانہ سے فیصل آباد پھر ملتان کے تحصیل خانیوال تشریف لے گئے اور وہاں ایک نئی بستی قائم کی،مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ کا تعلق چوں کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بڑا گہرا تھا اور حضرت کے خاص فیض یافتہ تھے اس لیے اس نئی بستی کا نام کوٹ اشرف رکھا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے نام پر اپنے فرزند کا نام رشید احمد رکھا،مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کا تاریخی نام سعود اختر ہے یہ نام خود پندرہ سال کی عمر میں تجویز فرمایا تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم اپنی والدہ سے پانچ برس کی عمر میں حاصل کی پھر ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۵۲ھ تک سرکاری پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی،اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت کے ساتھیوں میں ممتاز رہے،۱۳۵۳ھ سے لے کر ۱۳۵۹ھ تک متعدد مدارس میں تعلیم حاصل کی،شوال ۱۳۶۰ھ میں آپ کا داخلہ دار العلوم دیوبند میں ہوا، یہاں بخاری اور ترمذی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے پڑھی،مگر اخیر سال میں حکومت برطانیہ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو گرفتار کرکے مراد آباد جیل بھیج دیا تو یہ کتابیں حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمہ اللہ نے ختم کرائیں۔

فتاویٰ نویسی کا کام فراغت کے بعد ۱۳۶۲ھ سے ہی شروع کردیا تھا جب مدینۃ العلوم بھینڈ وضلع حیدرآباد سندھ میں مدرس تھے لیکن یہاں دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری ۱۳۶۶ھ میں ڈالی گئی اور ۱۳۶۹ھ تک بیک وقت شیخ الحدیث، صدر مدرس اور صدر مفتی رہے، پھر ۱۳۷۰ھ میں جب جامعہ دارالہدیٰ ٹیڑھی گئے تو وہاں بھی شیخ الحدیث اور صدر مفتی کی

(۱) فتاویٰ حقانیہ جلد اول۔

حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے، پھر جب دارالعلوم کراچی گئے تو وہاں اگرچہ آپ شیخ الحدیث رہے اور افتا کی ذمہ داری باضابطہ متعلق نہیں کی گئی لیکن زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل سے متعلق استفتاءات آپ ہی کے سپرد کئے جاتے تھے نیز ۱۳۸۱ھ میں جب دارالعلوم نے تخصص فی الفقہ کا شعبہ شروع کیا تو اس میں مربی کی حیثیت سے آپ ہی کا نام منتخب کیا گیا پھر ۱۳۸۳ھ سے ایک علیٰحدہ فقہی اور اصلاحی ادارہ ''دارالافتاء والارشاد'' کی بنیاد ڈالی اور مستقل اس پلیٹ فارم سے فقہ وفتاویٰ کی خدمت انجام دی۔

مفتی صاحب کے علمی وقلمی سرمایوں میں سب سے اہم سرمایہ فتاویٰ کا مجموعہ ''احسن الفتاویٰ'' ہے، فتاویٰ کی بڑی تعداد محفوظ نہیں کی جاسکی جیسا کہ آپ کے حالات لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۰ھ تک فتاویٰ کی نقل رکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۷۶ھ تک کل دو ہزار پچیس (۲۰۲۵) فتاویٰ تحریر کئے مگر ان میں صرف چار سو اکاون (۴۵۱) فتاویٰ نقل ہوسکے، ابتدائی دور کے فتاویٰ کا مجموعہ سب سے پہلے ۱۳۷۹ھ میں شائع ہوا تھا اور ۱۳۸۳ھ سے جدید سلسلہ کا آغاز ہوا اور اب یہ مجموعہ ۸؍ضخیم جلدوں میں طبع شدہ ہے۔

اس کے علاوہ کئی فقہی اور اصلاحی رسالے بھی تصنیف فرمائے جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے۔

ان میں سے (۱) **أحسن القضاء فی الذبح بإعانة الکھرباء** (۲) **الاجتثاث لموحد الطلقات الثلاث** (۳) اجتماعی ذکر کے مروجہ حلقے (۴) احکام معذور (۵) **أداء القرض من الحرام** (۶) **الإرشاد إلٰی مخرج الضاد** (۷) اسلام کا عادلانہ نظام معیشت (۸) ایمان وکفر کا معیار (۹) بلاسودی بینک کاری (۱۰) **زبدة الکلمات فی حکم الدعاء بعدالصلوٰة** (۱۱) سیاست اسلامیہ (۱۲) **القول الأظھر فی تحقیق مسافة السفر** (۱۳) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔ بیشتر رسائل ''احسن الفتاویٰ'' میں شامل کردیئے گئے ہیں۔(۱)

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ:

قطب زماں، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے اپنی تربیت واصلاح کرانے اور فیض یاب ہونے والوں میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا نام نامی خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ تمام علوم وفنون کے جامع فاضل، اپنے زمانہ کے محدث، فقیہ، اور جید عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مربی اور شیخ طریقت تھے۔ مسلک اکابر دارالعلوم دیوبند کے بارے میں آپ کی صلابت رائے اور تحفظ مسلک کے لیے آپ کی خدمات سب پر روشن ہیں، اس سلسلہ میں آپ کی نگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ رعایت بھی سخت مضرت رساں تھی۔

حضرت مولانا کا محبوب ترین مشغلہ جس میں آپ کی زندگی کا تقریباً تمام زمانہ گذرا وہ درس وتدریس، فقہ وفتاویٰ

(۱) فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات: ۳۱۰-۳۱۳۔

اور علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے ساتھ مدارس عربیہ کی سرپرستی اور فروغ کے لیے سعی اور کوشش کرنا تھا۔

حضرت مولانا نے ۱۹؍شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۹؍مارچ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کے شہر جالندھر میں عارف باللہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں ''جامعہ خیر المدارس'' قائم فرمایا، جامعہ ابتدائی چند سال مالی لحاظ سے مشکلات ومصائب کا شکار رہا، مگر بفضلہٖ تعالیٰ بانی جامعہ، اساتذہ وطلبا کے اخلاص، محنت وحوصلہ اور عوام کے تعاون سے مشکلات میں کمی آتی گئی، اور ''خیر المدارس'' ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا، جالندھر میں ۱۸؍سال تک طلبہ کی بڑی تعداد جامعہ سے علوم عربیہ اسلامیہ اور قرآن وحدیث کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی۔

ہندوستان کی تقسیم کے بعد حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ نے پاکستان ہجرت کی اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی خواہش اور اصرار پر جنوبی پنجاب کے تاریخی شہر ''مدینۃ الاولیاء'' ملتان میں ۲۲؍ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ''خیر المدارس'' کا دوبارہ آغاز کیا۔

ملتان، جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کا وسط ومرکز اور تاریخی لحاظ سے ایک اہم علمی مقام ہے، مگر ملتان اور جنوبی پنجاب کے اکثر اضلاع ومضافات علوم شرعیہ سے ناواقفیت کے باعث جہالت اور رسوم وبدعات کے اندھیروں میں گھرے ہوئے تھے، ان حالات میں ''خیر المدارس'' کا وجود تاریکیوں میں چراغ اور طوفانوں میں نشان منزل کا پتہ دینے والا مینارۂ نور ثابت ہوا، جس کی روشنی جلد ہی نہ صرف پنجاب وپاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں پھیلنے لگی اور یہ ادارہ عوام کی توجہات کا مرکز بن گیا، گذشتہ پون صدی کے دوران ''جامعہ خیر المدارس'' سے ہزاروں تشنگان علم اپنی پیاس بجھا چکے ہیں، جامعہ کے تعلیم یافتہ ملک اور بیرون ملک ہر جگہ خدمت دین میں مصروف ہیں، فضلاء جامعہ کی کثیر تعداد نے پاکستان کے گوشہ گوشہ میں دینی مدارس کا جال بچھا دیا ہے۔

دوبارہ آغاز کے ساتھ ہی دارالافتاء کا قیام بھی عمل میں آیا، یہ شعبہ جید اور ماہر مفتی حضرات کی نگرانی میں مصروف خدمت ہے جو عام مسلمانوں کے دینی مسائل حل کرنے اور انہیں صحیح اسلامی احکام سے آگاہ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے جس سے مقامی ملکی وغیر ملکی سب مسلمان فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس شعبہ سے اب تک لاکھوں فتاوے جاری کئے جا چکے ہیں جو ''خیر الفتاویٰ'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو رہے ہیں۔(۱)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان جزیرہ نما بستی ''عیسیٰ پور'' میں غالباً سن ۱۳۵۱ھ، مطابق ۱۹۳۲ء میں ہوئی، والدہ ماجدہ کا

(۱) مقدمۂ خیر الفتاویٰ جلد اول۔

انتقال شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو گیا تھا، والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، دیہات کے پنچائتی فیصلہ نمٹانے میں ان کا شہرہ تھا، ابتدائی تعلیم کی شروعات قاری ولی محمد صاحب سے ہوئی۔ پرائمری کے بعد ۱۳؍ برس کی عمر میں لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل ہوئے، یہاں حضرت مولانا امداد اللہ صاحبؒ سے فارسی پڑھی، اگلے سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا، یہاں ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں، ۲۷؍ رمضان ۱۳۶۶ھ میں قیام پاکستان کا اعلان ہوا، اور مشرقی پنجاب سے مسلم آبادی کے انخلا کا ہنگامۂ رستا خیز پیش آیا، مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد چک ۳۳۵ ڈبلیو بی، ملتان میں قیام ہوا، وہاں سے قریب منڈی جہانیاں میں چوہدری اللہ داد خان مرحوم کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں ''مدرسہ رحمانیہ'' تھا، وہاں حضرت مولانا غلام محمد لدھیانویؒ اور دیگر اساتذہ سے دوبارہ تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، ایک سال ''مدرسہ قاسم العلوم'' فقیر والی ضلع بہاول پور میں حضرت مولانا عبداللہ رائے پوریؒ، ان کے برادر خورد مولانا لطف اللہ شہید رائے پوریؒ، اور حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب سے متوسطات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد چار سال ''جامعہ خیر المدارس'' ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہؒ، حضرت مولانا محمد نور صاحبؒ، حضرت مولانا غلام حسینؒ، حضرت مولانا جمال الدینؒ اور حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ سے تعلیم حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے سال حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلہ اشرفیہ، امدادیہ، صابریہ میں بیعت کی، اور حضرت رحمہ اللہ کے حکم سے روشن والا ضلع لائل پور کے مدرسہ میں تدریس کے لیے تقرر ہوا، دو سال کے قیام کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے ماموں کانجن، ضلع لائل پور بھیج دیا، وہاں مولانا محمد شفیع ہوشیار پوریؒ کی معیت میں دس سال تک قیام رہا۔

تعلیم وتدریس کے ساتھ لکھنے کا بھی شوق تھا، زمانۂ طالب علمی میں مشکوٰۃ کی شرح ''التقریر النجیح'' کے نام سے تالیف فرمائی، سب سے پہلا مضمون مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے رد میں لکھا، ۵؍ مئی ۱۹۷۸ء میں جناب میر شکیل الرحمٰنؒ نے ''جنگ'' کا اسلامی صفحہ ''اقرا'' جاری کیا تو ان کے اصرار اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی اور مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کی تاکید وفرمائش پر اس سے منسلک ہوئے اور دیگر مضامین کے علاوہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کا مستقل سلسلہ شروع کیا جس کے ذریعہ بلا مبالغہ لاکھوں مسائل کے جوابات، کچھ اخبارات کے ذریعے اور کچھ نجی طور پر لکھنے کی نوبت آئی۔

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے بیعت ہو گئے، ساتھ ہی حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب عارفی رحمہ اللہ نے بھی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

ماہنامہ ''بینات''، ہفت روزہ ''ختم نبوت''، ''اقراء ڈائجسٹ'' کے علاوہ ملک کے مشہور علمی رسائل میں شائع شدہ سینکڑوں مضامین کے علاوہ چند کتابیں بھی تالیف کیں۔

(۱) اردو ترجمہ **خاتم النبیین** از علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ۔
(۲) اردو ترجمہ **حجة الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم** از شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ
(۳) عہد نبوت کے ماہ وسال (ترجمہ **بذل القوۃ فی سنی النبوۃ**، از مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ)
(۴) سیرت عمر بن عبد العزیزؒ (عربی سے ترجمہ)
(۵) قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفاء کرام (۳ رجلدیں)
(۶) اختلاف امت اور صراط مستقیم (دو جلدیں)
(۷) عصر حاضر حدیث نبوی کے آئینہ میں۔
(۸) **شہاب مبین لرجم الشیاطین** (رجم کی شرعی حیثیت)
(۹) گمراہ کن عقائد اور صراط مستقیم۔
(۱۰) بولتے حقائق۔
(۱۱) شخصیات وتأثرات (دو جلدیں)
(۱۲) **ذریعة الوصول إلی جناب الرسول** (صلی اللہ علیہ وسلم)۔
(۱۳) اسلام کا قانون زکوۃ وعشر۔
(۱۴) معاشرتی بگاڑ کا سدباب۔
(۱۵) مقالات وشذرات۔
(۱۶) رسائل یوسفی۔
(۱۷) ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں۔
(۱۹) دنیا کی حقیقت (دو جلدیں)
(۲۰) دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار۔
(۲۱) تحفۂ قادیانیت (۶ رجلدیں)
(۲۲) منتخب احادیث (دعوت وتبلیغ کے چھ بنیادی اصول)۔
(۲۳) **أطیب النغم فی شرح سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم**
(۲۴) آپ کے مسائل اور ان کا حل (۱۰ رجلدیں)(۱)

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد اول: ۱۲-۱۶۔

حضرت مولانا مفتی محمود پاکستانی رحمہ اللہ:

مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے ضلع میانوالی کی بستی عیسیٰ اخیل سے درس وتدریس کا آغاز کیا، اس کے بعد حضرت سید عبدالعزیز رحمہ اللہ کی دعوت پر ابا خیل ضلع لکی مروت تشریف لائے، ''مدرسہ قاسمیہ شاہی'' مرادآباد، یوپی سے سند فراغت حاصل کی، آخر میں ''مدرسہ قاسم العلوم'' ملتان تشریف لائے اور ساری زندگی اسی ادارہ سے وابستہ رہے۔ آپ اعلیٰ مدرس، بلند پایہ شیخ الحدیث، منفرد مفسر قرآن اور صاحب اجتہاد فقیہ تھے، آپ کی زندگی کا بڑا حصہ قومی کاموں میں صرف ہوا لیکن قومی اموراوران سے متعلق ذمہ داریاں ان کے علمی مشاغل کو نہ روک سکیں۔ آپ صوبہ سرحد پاکستان کے وزیر اعلیٰ بھی رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقہ میں خاص مقام عطا کیا تھا، حضرت علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت پاکستان میں ان سے بڑا کوئی مفتی نہیں۔ آپ کے علمی منصب کا اعتراف عرب کے علما بھی کرتے تھے۔

مفتی محمود صاحب کی شہرت عام ہوئی تو ''قاسم العلوم'' کی انتظامیہ انہیں اپنے مدرسے میں بلانے پر مجبور ہوگئی، جب مفتی صاحب ''قاسم العلوم'' ملتان میں آگئے تو منتظمین کو معلوم ہوا کہ یہ صرف فقہ کے ماہر ہی نہیں، علم حدیث پر بھی پوری دسترس رکھتے ہیں تو فیصلہ یہ ہوا کہ بحیثیت استاذ تو مفتی صاحب علم حدیث پڑھائیں گے اور بحیثیت مفتی دارالافتاء کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ ''قاسم العلوم'' میں ان کے ابتدائی دور میں لوگ ہزاروں مسائل لے کر آئے اور انہوں نے ہزاروں فتوے جاری کئے، ان میں بیشتر مسائل مشکل اور الجھے ہوئے ہوتے تھے، لیکن مفتی صاحب کے دست گرہ کشا کے سامنے یہ الجھاؤ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، چونکہ مفتی صاحب اس شرط پر مدرسہ آئے تھے کہ انتظامیہ ان کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں لگائے گی، اس لیے جب مفتی صاحب کی سیاسی مصروفیات بڑھ گئیں تو افتا کا کام کم ہوگیا، اب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو مفتی صاحب اس پر فتویٰ دیتے، عام مسائل پر نائب مفتی ہی جواب لکھ دیتے تھے۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۵ء تک پچیس سالوں میں آپ نے تقریباً بائیس ہزار سے زائد فتوے دیئے، جو دارالافتاء کے رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

''جمعیت علماء ہند'' قیام پاکستان کے بعد ہندوستان تک محدود ہوچکی تھی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی ''جمعیت علماء اسلام'' مولانا کے عدم توجہ کی وجہ سے معطل سی ہوکر رہ گئی تھی، ملک میں دینی سیاست کے لیے ایک پلیٹ فارم کی ضرورت تھی، مولانا مفتی محمود صاحب نے ۱۹۵۶ء میں چیدہ چیدہ علماء کرام کو ملتان میں جمع کیا اور علماء کرام نے اپنے سیاسی پلیٹ فارم سے نفاذ شریعت کی جدوجہد کا آغاز کیا۔

۱۹۶۲ء میں مفتی صاحب نے انتخابات میں حصہ لیا اور پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، ۱۹۷۰ء میں جب یحییٰ خان نے انتخابات کا اعلان کیا تو مفتی صاحب اور ''جمعیت علماء اسلام'' کی سیٹ سے بھٹو کو ڈیرہ اسماعیل خان میں زبردست شکست دی، مفتی صاحب کی محنت سے اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا، ۱۹۷۷ء میں پاکستان

کے اسلامی رخ کو متعین کیا، جنرل ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ مفتی صاحب نے اسلامی نظام کے لیے تعاون شروع کیا اور کچھ اسلامی دفعات کا اعلان بھی کر دیا گیا، جب ضیاء الحق مرحوم آمریت کی طرف رخ کرنے لگے تو مفتی صاحب نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کی آمریت کو للکارا اور اس کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے خلاف آپ تحریک کا آغاز کرنے کے لیے تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو متحد کر رہے تھے کہ چودھویں صدی کے آخری حج کے سفر پر تشریف لے جاتے ہوئے کراچی میں قیام کے دوران ''جامعہ علوم اسلامیہ'' بنوری ٹاؤن کے مہمان خانہ میں مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد رفیع عثمانی، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مفتی احمد الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، مولانا محمد طاسین، مولانا محمد بنوری سے زکوٰۃ کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے سن ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء کو دار بقا کی طرف چلے گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اس وقت آپ کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی امارت میں ''جمعیت علماء اسلام'' پاکستان اپنے فرائض کو انجام دے رہی ہے۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب:

آپ کی پیدائش ۱۹۴۳ء میں دیوبند ضلع سہارنپور، یوپی میں ہوئی، ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں حضرت مولانا احتشام الدین تھانوی رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ ''مدرسہ اشرفیہ'' میں حاصل کی، جامعہ کراچی سے وکالت میں ماسٹر اور جامعہ پنجاب سے عربی ادب میں تخصص کیا، بعد ازاں ۱۹۶۱ء میں اسی ادارے سے فقہ کی تعلیم مکمل کی، دار العلوم کراچی سے درس نظامی نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔

آپ نے علوم حدیث کی اجازت تقریباً تمام جید علما سے حاصل کی جن میں خود ان کے والد محترم حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آپ کے والد ماجد آپ کی تربیت سلوک کے لیے بہت فکرمند تھے، اپنے والد کے حکم سے ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ سے تعلق قائم کیا، کچھ ہی عرصہ میں ان سے متأثر ہو کر بیعت ہو گئے۔

جامعہ کراچی سے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۲ء تک وکالت کی تعلیم حاصل کی، اور ۱۹۸۲ء میں طویل عرصے تک وفاقی شرعی عدالت کے نظام سے وابستہ رہے، پاکستان کے قائم مقام منصف اعظم بھی رہے، ۲۰۰۲ء تک سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت ایپلینٹ بینچ کے جج رہے، آپ شریعت ایپلینٹ بینچ کے تحت سود کو غیر شرعی قرار دے کر اس پر پابندی کا فیصلہ دیا جس کے پاداش میں اس وقت کے صدر پرویز مشرف نے آپ کو عہدہ سے برطرف کر دیا۔

جدید معاشی نظام کی اساس جدید بینکنگ پر ہے، جس کا پورا ڈھانچہ سود کی بنیادوں پر کھڑا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ

(۱) فتاویٰ مفتی محمود جلد اول: ۱۲۴ر تا ر ۱۶۰۔

کی نافرمانی ہوتی ہے، اس لیے شرعی حدود میں رہ کر بینک کاری کا بغیر سودی سرگرمیوں کے جاری رکھنا ایک مستقل مسئلہ تھا لیکن آپ کی مجددانہ کوششوں کی بدولت یہ مستقل طور پر حل ہوسکا، آپ نے عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ایسا نظام وضع کیا ہے جو ساری دنیا میں مقبول عام ہو رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کئی اسلامی بینکوں کے مشیر ہیں، کئی اسلامی مالیاتی اداروں کے اکاؤنٹنگ، آڈیٹنگ اور آرگنائزیشن کے چیرمین بھی ہیں۔ آپ نے پاکستان میں پھیل رہے قادیانی نظریات کی مخالفت کی تحریک میں اپنا اہم رول ادا کیا، مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ قادیانیوں کے خلاف ایک دستاویز تیار کی جو پارلیمنٹ میں پیش کی گئی۔ آپ کا شمار کثیر التصانیف علما میں کیا جاتا ہے۔

آپ کی چند تصانیف یہ ہیں:

(۱) آسان ترجمۂ قرآن (توضیح القرآن) مع تشریحات، مکمل تین جلدیں۔
(۲) آسان نیکیاں
(۳) اندلس میں چند روز
(۴) اسلام اور سیاست حاضرہ
(۵) اسلام اور جدت پسندی
(۶) اکابر دیوبند کیا تھے؟
(۷) تقلید کی شرعی حیثیت
(۸) پرنور دین
(۹) تراشے
(۱۰) بائبل کیا ہے؟
(۱۱) جہان دیدہ
(۱۲) دنیا میرے آگے
(۱۳) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق
(۱۴) حجیت حدیث
(۱۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
(۱۶) فرد کی اصلاح
(۱۷) علوم القرآن
(۱۸) ہمارا معاشی نظام

(۱۹) نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں

(۲۰) عدالتی فیصلے

(۲۱) عیسائیت کیا ہے؟

(۲۲) درس ترمذی

(۲۳) تکملۂ فتح الملہم

(۲۴) فتاویٰ عثمانی

دیگر علوم وفنون کی طرح فقہ اور فتویٰ کے میدان میں آپ سے اللہ جل شانہ نے بڑا کام لیا ہے، اس سلسلہ میں ''**تکملۂ فتح المھم**'' کے فقہی مباحث، **بحوث قضایافقهیة معاصرة**، فقہی مقالات، **أحکام الأوراق النقدیة**، عدالتی فیصلے، ملکیت زمین کی تحدید، وغیرہ فقہی میدان میں آپ کی گرانقدر تصنیفات ہیں۔

فقہی میدان میں خدمات کا ایک بڑا حصہ ہزاروں کی تعداد میں لکھے ہوئے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو پچھلے پینتالیس سالوں میں تحریر فرمائے ہیں مگر ان کی یہ عظیم الشان علمی، فقہی اور تحقیقی خدمت شائع نہ ہونے کی وجہ سے ہنوز نظروں سے اوجھل ہے۔

اگر چہ اپنی اعلیٰ علمی صلاحیت کی بناپر زمانۂ طالب علمی میں ہی فتاویٰ لکھنا شروع کر دیا تھا مگر درجۂ تخصص سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد کی زیرنگرانی باقاعدہ فتویٰ لکھنا شروع کیا اور اس وقت سے اب تک بحمداللہ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری ہے، اس پورے عرصہ کے تقریباً تمام فتاویٰ دارالافتاء دارالعلوم کراچی کے نقل فتاویٰ کے قدیم وجدید رجسٹروں میں محفوظ ہیں مگر چونکہ بالکل ابتدا میں دارالعلوم میں فتاویٰ محفوظ رکھنے کا کوئی باقاعدہ اور منظّم انتظام نہیں تھا اس لیے دارالافتاء کے بعض دیگر فتاویٰ کی طرح شروع کے کچھ فتاویٰ بھی محفوظ نہیں رہے۔ مولانا کے فتاویٰ کے چند ادوار ہیں:

(۱) وہ فتاویٰ جو ''دارالافتاء دارالعلوم'' کراچی سے باقاعدہ جاری کئے گئے اور دارالافتاء کے نقل فتاویٰ رجسٹروں میں ان فتاویٰ کا اندراج ہے۔

(۲) بہت سے لوگ ''البلاغ'' کی معرفت آپ کے پاس سوالات بھیجتے تھے اور البلاغ میں ان کے جوابات دیا کرتے تھے، ان میں بعض انتہائی مفصل اور محقق جوابات بھی ہیں، البلاغ کے بعض فتاویٰ بھی اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

(۳) تمرین افتا کے زمانہ میں آپ کے تحریر کردہ تمام فتاویٰ والد ماجد سے تصحیح وتصدیق شدہ ہیں ان میں سے بعض مفصل اور مدلل فتاویٰ بھی ہیں جن کو مجموعہ فتاویٰ عثمانی میں شامل کیا گیا ہے۔(۱)

(۱) فتاویٰ عثمانی جلد اول: ۳۳۔۴۴، ودیگر کتب۔

مولانا سعید احمد جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی پیدائش ۱۹۵۶ء میں ہوئی، والد کا نام جام شوق محمد مرحوم ہے۔ابتدائی تعلیم مولانا عطاء الرحمٰنؒ اور مولانا غلام فریدؒ سے ہوئی، ۱۹۷۱ء میں مدرسہ انواریہ حبیب آباد طاہروالی،۷۲۔۱۹۷۳ء تک مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر خان پور میں، ۱۹۷۵ء میں دار العلوم کبیر والا خانیوالا،۷۶۔۱۹۷۷ء میں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا مصباح اللہ شاہؒ، وغیرہم سے ہوئی، اور ۱۹۷۷ء میں فاتحہ فراغ پڑھا، کراچی بورڈ سے میٹرک اور ایف اے کا امتحان دیا اور اسی بورڈ سے عربی فاضل کی سند حاصل کی، کئی جگہ امامت وخطابت وتدریسی خدمت کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ میں استاذ مقرر ہوئے، ماہنامہ ''بینات''، روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحہ ''اقرأ''، ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں مضامین شائع ہوئے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے، ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں تخریج اور نظر ثانی کا کام کیا، آپ کے تصانیف میں معارف بہلوی (چار جلدیں)، بزم حسین (دو جلدیں)، حدیث دل (تین جلدیں)، پیکر اخلاص، فتنہ شاہی ہے۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد فرید پاکستانی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، جن کی آغوش شفقت میں قرآن مجید اور فارسی وعربی کی ابتدائی درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ درس نظامی کی اکثر وبیشتر کتابیں پڑھیں، ۱۳۸۶ھ میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو منطق وفلسفہ اور حکمت وریاضی کی تعلیم مولانا خان بہادر رحمہ اللہ اور مولانا محمد نذیر چکیسریؒ سے سید وشریف سوات میں حاصل کی، اور اونچی کتابیں مولانا عبد الرزاق رحمہ اللہ سے مروان میں پڑھیں، درس حدیث کی تعلیم مولانا نصیر الدین غورغشتوری کی درسگاہ سے حاصل کی۔

''جمعیت علماء اسلام'' پاکستان، کے مرکزی سرپرستوں میں سے تھے، مولانا مفتی محمود صاحب سے پہلے شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور اکابر ''جمعیت علماء'' ہند کے نظریات پر کاربند تھے، بیس سال تک دار العلوم حقانیہ میں تدریس اور افتا کے منصب پر فائز رہے، ہزاروں کی تعداد میں طالبان علوم نبویہ آپ سے مستفید ہوئے، والد محترم کے دست حق پر سلسلہ نقشبندیہ سے بیعت وخلیفہ مجاز تھے۔دار العلوم حقانیہ کے دار الافتاء سے آپ کے ہزاروں فتاوے شائع ہوئے ہیں اور کئی تصنیفات بھی کی ہیں، زندگی کا اکثر حصہ اعصابی عوارض، علالت اور ضعف ونقاہت میں گذاری، ۲۱ رمئی ۲۰۰۵ء کو پچاس برس کی عمر پا کر عالم شباب میں ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو تدریسی فرائض کی شہرہ آفاق مقبولیت کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے ملکہ

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد اول: ۱۲۔۱۶۔

راسخہ سے بھی نوازا تھا۔ بطور تذکرہ چند کتب کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) **منهاج السنن شرح جامع السنن للترمذی** (عربی): یہ مختصر جامع شرح ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، تمام اہم فقہی اور حدیثی مباحث پر حاوی ہے جس کو بیک وقت شرح حدیث اور فتاویٰ کی حیثیت حاصل ہے۔

(۲) **هداية القاری علی صحيح البخاری** (عربی): جو بخاری شریف کے مطول اور ضخیم شروح کا ملخص ہے اور اکابر محدثین کے امالی کا نچوڑ ہے۔

(۳) **فتح المنعم شرح مقدمة مسلم** (عربی): یہ صحیح مسلم کے مقدمہ کی محققانہ شرح ہے جو دس اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

(۴) **البشریٰ لأرباب الفتویٰ** (عربی): یہ مختصر رسالہ افتا کے اصول وضوابط پر مشتمل ہے دس فصلوں پر تقسیم ہے، آخری فصل میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات اور ان پر اعتراضات کے جوابات بیان کئے گئے ہیں۔

(۵) **العقائد الإسلامية باللغة السليمانية** (پشتو): یہ کتاب چالیس عقائد اور چالیس اہم احکام پر مشتمل ہے۔

(۶) مقالات (پشتو): اس کتاب میں بعض اختلافی مسائل کے حل کے علاوہ مسئلہ توحید واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۷) مسائل حج (پشتو): یہ رسالہ حج کے اہم مباحث اور احکام ومسائل پر مشتمل ہے۔

(۸) **رسالة التوسل** (عربی): اس رسالہ میں مسئلہ توسل پر معتدل انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۹) سلسلۂ مبارکہ (اردو، پشتو، فارسی): اس میں تصوف کی تعریف، غرض وغایت اور سلسلہ نقشبندیہ کے اسباق کی تشریح کی گئی ہے۔

(۱۰) رسالہ قبریہ (پشتو): اس میں موت اور کفن دفن سے متعلق مسائل جمع کئے گئے ہیں۔

(۱۱) **الفوائد البهية إلى أحاديث خير البرية** (عربی): یہ رسالہ اصول حدیث، اقسام، تعریفات اور آداب علم حدیث پر مشتمل ہے۔

(۱۲) فتاویٰ دیوبند پاکستان المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ: دارالعلوم حقانیہ کے ۳۱/رسالہ ریکارڈ میں سے منتخب فتاویٰ کا مجموعہ جسے مولانا مفتی محمد وہاب منگلوتی فاضل ومتخصص دارالعلوم حقانیہ مفتی دارالعلوم صدیقیہ زروبی نے مرتب کیا ہے۔(۱)

---

(۱) فتاویٰ دیوبند پاکستان المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ جلد اول: ۳۱۔۳۶۔

مولانا مفتی رضاء الحق صاحب:

مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ میں حدیث وفقہ کے استاذ ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲ رستمبر ۱۹۹۶ء مدفون ایلبرگ کیمیٹری نزد جوہانسبرگ) کے خلیفہ ہیں۔مولانا کا وطن اصلی خیبر پختونخوا، پاکستان ہے، عالمیت اور فضیلت ''جامعہ اسلامیہ'' اکوڑہ خٹک، پاکستان میں ۲۰ رسال کی عمر میں مکمل کی اور تخصص فی الدعوۃ والارشاد (زیر نگرانی مولانا اسحق صاحب سندیلوی) اور تخصص فی الافتاء (زیر نگرانی مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی) بنوری ٹاؤن کے ''جامعہ بنوریہ'' سے کیا۔تخصص فی الافتاء کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب جنوبی افریقہ آنے سے پہلے بنوری ٹاؤن میں استاذ ہو گئے۔دار العلوم زکریا کے مہتمم مولانا شبیر احمد سلوجی صاحب نے حضرت مفتی صاحب سے بنوری ٹاؤن میں پڑھا ہے۔جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے اپنی تعلیم کی تکمیل کرنے کے بعد جب مولانا شبیر سلوجی صاحب جنوبی افریقہ آئے اور اپنا مدرسہ دار العلوم زکریا قائم کیا تو انہوں نے مفتی صاحب کو جنوبی افریقہ آنے کی اور دار العلوم زکریا میں استاذ کے عہدہ پر فائز ہونے کی دعوت دی۔آپ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے جنوبی افریقہ منتقل ہو گئے۔

مولانا ایک محدث ہونے کے علاوہ ایک فقیہ، نحوی، صرفی، منطقی، فلسفی، متکلم، شیخ طریقت، مصنف اور ایک عمدہ شاعر بھی ہیں۔ان کا شعری مجموعہ ''قرار دل'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔یہ مجموعہ یقیناً قرار دل تلاش کرنے والوں کے دل کا قرار ہے۔انہوں نے مختلف موضوعات پر کچھ دوسری کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، جو ان کے وسعت مطالعہ اور علم کی گہرائی کی عکاس ہیں۔تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) بدء الامالی (عقائد)۔

(۲) الجزء اللطیف (حدیث)۔

(۳) اعلام الفعام (تقابل مذاہب)۔

(۵) خطبات الاحکام۔

(۶) ذکر بالجہر۔

(۷) تمرین الصرف۔

(۸) شرح قصیدہ بردہ شریف۔

(۹) فتاویٰ سراجیہ۔

(۱۰) فتاویٰ دار العلوم زکریا (پانچ جلدیں)

دار العلوم زکریا میں درس وتدریس کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ جمعیۃ المفتیین جنوبی افریقہ میں بھی مفتی کی حیثیت

سے خدمت انجام دے رہے ہیں اور جمیعۃ المفتیین پاکستان کے ممبر ہیں۔ ساتھ ہی جمیعۃ العلماء جنوبی افریقہ کے کنسلٹنٹ ممبر بھی ہیں۔ اللہ جل شانہ نے فتوے کے سلسلہ میں کافی سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے، آپ کے فتوے میں احتیاط کا پہلو غالب رہتا ہے اور اگر کسی مسئلہ میں کئی آراء ہوتی ہیں تو ہمیشہ احوط پر عمل کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

یہ تفصیلی مقدمہ جسے آپ نے پڑھا گرچہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے پھر بھی اس کا احساس ہے کہ علماء ہندو پاک کے فتاویٰ کی خصوصیات اور ان بزرگوں کی خدمات کو جس تفصیل کے طور پر پیش کیا جانا چاہیے ابھی تک وہ کام نہیں ہوسکا ہے۔ اس کی ضرورت بہرحال باقی ہے تاکہ امت کے سامنے یہ واضح ہوکر آسکے کہ بارہ سو سالہ عہد میں ان ہندوستانی علما وفقہا نے کس طرح کی علمی ودینی خدمت انجام دی ہے۔ اخیر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہماری ان تقصیرات کو معاف فرمائے جو ''فتاویٰ علماء ہند'' کی صفحات میں ہوئی ہیں، ان لغزشوں کو بھی اپنی رحمت اور عفو وکرم سے معاف فرمائے جو اتنی بڑی دینی خدمت میں ہوئی ہیں، امید ہے کہ اصحاب علم وفقہ علمی وفقہی سہو ونسیان و غلطی پر متنبہ فرمائیں گے تاکہ آئندہ ان کی اصلاح کرسکوں۔ (انشاء الله العزيز)

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ''

۲؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ — انیس الرحمٰن قاسمی
مطابق ۱۴؍مئی ۲۰۱۳ء — ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

قال اللّٰه جلّ وعلىٰ

يٰا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا.

(سورة المائدة:٦)

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

”الطهور شطر الإيمان“. (مسلم:۱/۱۱۸)

”مفتاح الصلوة الطهور“. (ترمذی)